رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

قیمت مجلد ساڑھے تین روپئے
قیمت غیر مجلد تین روپئے

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد

اپنے ”کالج“ کے نام

(جسکے فیضان نے کسی دوسرے کے فیضان کا محتاج نہ رکھا)
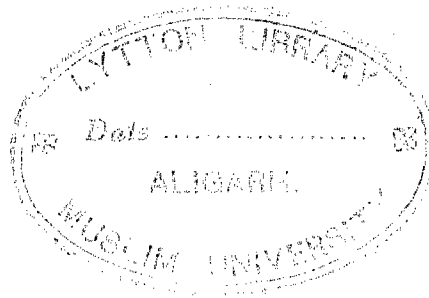
عرض حال

اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کی شان نزول عبرت ناک حد تک دلچسپ ہے یعنی یہ فہمائش پر لکھی گئی ' فرمائش پر طبع کرائی گئی اور .... بخشائش کی توقع ہے !

ایسے لوگ مختلف نظروں سے دیکھیں گے ' دوست خوش ہونگے دشمن ناخوش اور ایماندار خاموش .... ہمارے مخاطب صحیح ان میں سے ایک بھی نہیں - مخاطب صحیح مرشد ہیں جنھوں نے ایکبار شدید گرسنگی اور نیم غنودگی کی حالت میں فرمایا '' میاں ' دیکھو '' کوہ کندن و کاہ بر آوردن '' اور '' گور کندن و استخواں بر آوردن '' دونوں مہمل ' زندگی کی تعبیر فضا سے کی جاتی ہے نہ کہ واقعات و حادثات سے '' اتنا ہی کہکر خراٹے لینے لگے اور رشد و ہدایت کا دروازہ ' ہم پر بند ہو کر ان لوگوں پر کھل گیا جن کی زبان ہماری زبان سے بالکل مختلف تھی اور شاید سماعت ہماری سماعت سے زیادہ بطی الحس !

حتی الوسع مرشد کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے - نئی دنیا کی فضا پیش کی گئی ہے نہ یہ کہ کولمبس کیا تھے کون تھے اور کیا ہوئے - اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں بھی اصول مد نظر رکھا گیا ہے - جہاں تک ایشیائی زبانوں

کا تعلق ھے (گو ایشیائي زبانوں مین میری معلومات اردو ' فارسی اور ایک مشتبہ حد تک عربي ھی تک محدود ھیں) تاھم اس کا کیا علاج ' جب تک اپنی معلومات یا تجربات کو ساري کائنات پر محیط نہ سمجھئے (واقعہ کي صحت یا عدم صحت ' کا سوال نہیں) اس وقت تک نہ اپنا نفس خوش ھوتا ھے نہ دوسروں پر رعب پڑتا ھے ' طنزیات کا فن اور ادب بالکل ابتدائي مراحل میں ھے ابتدائی مراحل کو یہاں " ناقص " کا مرادف ھے تاھم بعض وقت ناقص کو ناقص کہنا انشاپردازی اور بھلمنساھت دونوں کے منافی ھوتا ھے اور ان میں سے کم سے کم ایک جزو ضرور ایسي چیز ھے جس کا میں حامل نہیں تو مؤید ضرور ھوں -

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر طنزیات و مضحکات کے فن اور انشا و ادب کو ھندوستان میں کبھی ایسا فروغ نصیب ھوا جو دیگر مکمل اور ترقي یافتہ زبانوں کے مقابلہ میں قابل اعتبار و اعتنا ھو تو اُس کی حامل یقیناً اُردو ھوگي - اُردو کي طرف سے لوگ مایوس ھین لیکن لوگوں کی مایوسی اکثر فیشن ' مراق اور افلاس کے باعث بھی ھو سکتي ھے - فن اور ادب کبھی مایوس نہیں ھوتے - میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاھتا - یہاں بحث صرف طنزیات و مضحکات سے ھے - اس وقت اِس کے اچھے لکھنے پڑھنے والے موجود ھیں اور ایسے اچھے کہ وہ جبراً یا اخلاقاً بھي مایوس ھونا نہیں چاھتے - جب اُردو مایوس نہیں تو اُردو لکھنے پڑھنے والے کیوں مایوس ھوں -

میں نے ابھی کہا تھا کہ طنزیات کا فن اور ادب اُردو میں ابھی ایک حد تک ناقص ہے - ناقص ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ برا ہے - ناقص سے میری مراد ' نا مکمل ' سے ہے - جیسی اب سے کچھہ قبل بڑی حد تک ہماری اُردو شعر و شاعری تھی اور اب بھی ہے لیکن صرف کسی حد تک - مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں اور اتنا دور تو یقیناً نہیں ہے جتنا کہ آزادی ہند ' جب اُردو میں طنزیات ' مضحکات اور مطائبات کا پایہ کم سے کم اُس سے تو بلند تر ہوگا جتنا لیگ آف نیشنس (انجمن اقوام) میں آج ہندوستان کا ہے !

غرض کہ جس طرح طنزیات کا فن اُردو میں ابھی '' ناقص '' یا '' نامکمل '' ہے تھیک اسی طرح یہ مقالہ بھی ناقص یا نا مکمل ہے - ورنہ شاید فن سے کامل ہم آهنگی نہ ہو سکتی ! اس میں بعض حضرات کا ذکر جہاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے وہاں بعضوں کا ذکر ہی سرے سے نہیں آیا - کمی بیشی کو متوازن رکھنے یا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے - سنتے ہیں موہنجودارو کے قریب ایک افیونی رہتے تھے - ایک دن معلوم نہیں جی میں کیا سمائی کہ روزہ رکھہ لیا ابھی پورے طور پر دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھوڑی دیر تک تو انتظار کرتے رہے -

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

آخر میں شبنم حیات کا ایک گھونٹ لے ہی لیا ' اور انتہائی قطعیت کے ساتھ بہ لحن نون غنہ فرمایا '

'' روزہ رکھنے کا ثواب، اور روزہ توڑنے کا عذاب برابر ' اور یاروں کا روزہ مفت ! '' اگر یہ فیصلہ صحیح ہے تو یہ واقعہ بھی غلط نہیں ' کہ ـ

بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ طویل اور بعضوں کا سرے سے غائب ' دونوں برابر اور یاروں کی تصنیف مفت ! انشاپردازی کا '' یہ تاریخی '' نہیں '' مساحتی '' تصور ہے مولانا محمد علی مرحوم' مولوی ولایت علی (بمبوق) مرحوم ' چودھری محمد علی رو دولوی کے مضامین باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے اور جو ملے وہ ٹھیک طنزیات کے تحت میں آتے نہ تھے اس لیے نظر انداز کردئے گئے ـ

مجھے اس مقالہ کے ترتیب میں اپنے بعض عزیز دوستوں اور بزرگوں سے نہایت گرانقدر مدد ملی ہے - امداد کی نوعیتیں مختلف تھیں مثلاً کسی نے بات بتائی ' کسی نے تردید کی ' کسی نے مسودہ دیکھا ' کسی نے پروف پڑھا ' کسی نے غلط نامہ مرتب کیا ' کسی نے واہ واہ کی ' کسی نے کام جاری رکھنے اور ختم کرنے پر مسلسل اصرار کیا ' کسی نے قرض دیا اور نہیں مانگا اور کسی نے قرض لیا اور نہیں دیا ـ

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (علی الترتیب نہیں !)

۱ ـ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ' ام - اے ' (علیگ) ' پی - ایچ - ڈی - دہلی -

۲ ـ اصغر حسین صاحب اصغر ' مدیر ہندستانی ' ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد ـ

۳ ـ خواجہ منظور حسین ، (ام - اے ، علیگ) ، بی - اے (آکسن) علی گڑہ ـ

۴ ـ سید بشیرالدین احمد ، ام - اے ، (علیگ) - اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑہ ـ

۵ ـ مولنا ابوبکر محمد شیث فاروقی صاحب ، ناظم دینیات ، علی گڑہ ـ

۶ ـ ڈاکٹر اصغر علی حیدر ، بی - اس سی ، پی ایچ - ڈی علی گڑہ ـ

۷ ـ حکیم شیخ محمد ممتاز حسین ، اڈیٹر اودہ پنچ ، لکھنؤ ـ

۸ ـ ڈاکٹر عبادالرحمن خاں ، بی - اے ، پی ایچ - ڈی ، علی گڑہ ـ

۹ ـ آل احمد سرور ، بی - اے ـ مدیر علی گڑہ میگزین علی گڑہ ـ

زبان سے انکا شکریہ ادا کرچکا ہوں اب قلب اور قلم سے دعائیں نکلتی ہیں ..

شرف قبول کا ملتجی و منتظر
رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علی گڑہ

فہرست کتب متداولہ

مقالہ زیر نظر کی ترتیب میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے

1. لباب الالباب
2. تذکرہ دولت شاہ سمرقندی
3. منتخب لطائف عبید زاکانی
4. The Press and Poetry of Modern Persia by E. G. Browne.
5. History of Persian Literature by E. G. Browne
6. Biographies of Persian Poets by ,, ,,
7. Essays on the origin and Progress of Satire by Dryden.
8. English Satires by Smeaton.
9. Selections from the British Satirists by Cecil Headlam.
10. Satire by Cannan.
11. شعرالعجم از علامہ شبلی نعمانی
12. تذکرہ خندۂ گل مرتبہ مولانا عبدالباری آسی صاحب
13. متعدد رسائل اور متفرق مضامین اُردو

اُردو طنزیات و مضحکات

''ایک سؤر کو اِس سے بھي زیادہ مکروہ شکل میں پیش کرنا جیسا کہ خود
خدا نے اس کو بنایا ھے طنز یا تضحیک (ستائر) ھے۔''

(چسترٹن)

''بعض تعریفیں (Definitions) صحیح ھوتي ھیں اور بعض محض دلچسپ '
لیکن سب سے زیادہ موثر وہ ھوتي ھیں جو برجستہ ھوں۔''

(مرشد)

انتباہ :—''از دشنام گدایاں وسیلئي زناں و زباں شاعراں و مسخرگاں مرنجید۔''

(عبید زاکاني)

ھماري آپ کی جان سے دور' قرون اولیٰ میں یونانیوں کے دو
مقتدر دیوتا تھے' اِلٰھۃ الفلاحت اور اِلٰھۃ الخمر اور حقیقت یہہ ھے
فسانۂ طنزیات کہ اس دور کي خصوصیات ارر میلانات کو
مدنظر رکھتے ھوئے اِن دو دیوتاؤں کے علاوہ ذھن انساني میں کسي
اور کي گنجائش بھي نہ تھي ۔ انسان واھمہ‌پرست اور خلقتہً
کمزور واقع ھوا ھے' اِس لئے کسي طاقتور (یا مافوق العادت) ھستي کا
سہارا ڈھونڈھنا اُس کي فطرت ھے۔ ھر وہ وحشي یا نیم وحشي
انسان جس کو اپني ضرورت کا احساس تھا اپنے فکر اور عمل کے
اعتبار سے مذھبي یا توھم‌پرست تھا اور اب بھي ھے اور حقیقت
یہہ ھے کہ انسان اپني انتہائي تہذیب اور ترقي کے باوجود آج بھي
توھم‌پرست ھے' وہ صرف مخلوقِ خداوند کا معتقد ھے۔

انسان کے عہد اولین میں یقیناً ایسے مواقع بھی آتے ہوں گے جب اُس کو ہر قسم کی عافیت اور کامرانی نصیب ہوتی ہوگی، مثلاً غلہ پکنے کا وقت، خرمن جمع کرنے کا موقع، موسم کا اعتدال، فضا کی دلکشی، صحت یا خوشگواری وغیرہ، اُن مواقع پر اُس کی مسرت اور نشاط میں ایک طرح کا ہیجان ہوتا ہوگا اور وہ معمولی سے زیادہ اُس کا اظہار کرتا ہوگا - ظاہر ہے یہی مواقع رفتہ رفتہ عید الجماعت میں منتقل ہوتے ہوں گے -

ہر عید یا تیوہار اپنے وجود کے اعتبار سے دو پہلو رکھتا ہے، ایک مذہبی، دوسرا تفریحی - کسی تیوہار کی مثال لے لیجئے اُس کی تاریخ اس حقیقت کی ترجمان ہوگی، دن کا کچھہ حصہ عبادت یا نذر نیاز میں اور بقیہ سیر و تفریح، ملنا جلنا، دید و بازدید میں صرف ہوتا ہے - اِن حالات کے ماتحت آپ اهالیان یونان کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیں، اُن کے دو مخصوص اور محبوب دیوتاؤں الہۃ الفلاحت اور الہۃ الخمر تھے، جن کے نام پر نذریں اور قربانیاں تہدیہ کی جاتی تھیں - اِس نذر نیاز کا بیشتر حصہ غلہ اور شراب ہوتا تھا - یہہ مراسم ختم ہو لیتے تو رنگ رلیوں کا دور آتا جس میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے، جوان، سب ہی شریک ہوتے - ہنسی، دلگی، مذاق، تمسخر، پھکڑبازی، طعن و طنز، سب و شتم، برهنگی و بے راہ روی، سب ہی کچھہ ہوتا، جن کو آج آپ آرٹ اور آزادی سے بھی موسوم کر سکتے ہیں اور بربریت اور بے حیائی سے بھی، فرق صرف زمان و مکان کا ہے، افعال و افکار کا نہیں -

طنزیات کی ابتدا انھیں بدمستیوں اور برہنگیوں سے ہوئی ہے۔
یہاں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاہئے کہ یہہ ہنسی دلگی
یا سب و شتم کس نوعیت کا ہوتا ہوگا؟ غالباً اس حقیقت سے
کسی کو انکار نہ ہوگا کہ جب انسان کے جذبات میں تموج ہوتا ہے
اور اس پر ایک ہیجانی کیفیت طاری ہوتی ہے اُس وقت اُس کا
لب و لہجہ ہی نہیں بدل جاتا بلکہ ایسی حالت میں اُس کے
لب و زبان سے جو کلمے ادا ہوتے ہیں وہ اپنی ترکیب اور بندش
کے اعتبار سے بھی مختلف ہوتے ہیں؟ لب و لہجہ اور ترکیب و بندش
کی یہہ عجیب نوعیت؟ فن شعر و شاعری میں ایک نمایاں حیثیت
رکھتی ہے جس کا اصطلاحی نام ہم نے اوزان اور قافیہ اور ردیف
رکھ دیا ہے؟ آواز اور الفاظ کی اُنھیں مختلف نوعیتوں کو ہم موسیقی سے
بھی تعبیر کرتے ہیں ـ یہہ اصطلاحی اوزان در حقیقت ہمارے متلاطم
جذبات کے اوزان ہیں جن سے ہم گریز کر سکتے ہیں؟ لیکن انکار
ناممکن ہے؟ چنانچہ عہد قدیم کے یونانی اُنھیں رنگ‌رلیوں میں
جو طعن و طنز؟ سب و شتم؟ ہنسی دلگی؟ پھکڑ یا فحاشی پر
مشتمل ہوتی تھیں ایک قسم کے بے ربط وزن کا بھی التزام ہونے لگا
جس نے مرور ایام سے نظم کا جامہ اختیار کر لیا ـ یہی سبب ہے
کہ یونان اور روم کے جتنے مشہور ہجوگو ہوئے وہ سب کے سب
شاعر تھے ـ عربوں کے یہاں بھی ہجو کی تعریف و تشریح
میں جو کچھہ کہا گیا ہے وہاں نظم کی شرط ایک حد تک
لازمی قرار دے دی گئی ہے ـ عربوں میں ہجا سے مراد وہ اشعار ہیں
جن میں کسی قوم؟ کسی فرد؟ کسی جماعت یا کسی کی منقصت
کی گئی ہو ـ

موجودہ ناقدین میں یہہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ اہالیاں روم نے یونانیوں سے طنزیات اخذ کیا یا یہہ خود اُنہیں کے افکار دماغ کا نتیجہ رومن اور لاطینی طنزیات ہے - جولیس اسکیلیگر (Julius Scaliger) اور ہنسی‌اس (Heinsius) اول الذکر خیال کے علمبردار ہیں ؛ ریگل شی اس (Regaltius) اور کیسبن (Casaubon) موخر الذکر نظرئے کے معتقد ؛ لیکن قبل اِس کے کہ اُن عقائد سے بحث کی جائے اِس امر کا اظہار ضروری ہے کہ لعن و طعن یا سب و شتم ہر قوم میں خود بخودِ نشو و نما پاتے ہیں - اِس لئے یہہ بحث کہ اس فن کو اہالیاں روم نے یونان سے حاصل کیا یا اسباب خاص میں یونانی اہالیاں روم سے مستفید ہوئے ایک حد تک بے سود اور غیر متعلق ہے - اسکیلیگر کو اصرار ہے کے یہہ چیز یونان سے روم کو منتقل ہوئی اور ثبوت میں یہہ حقیقت پیش کرتا ہے کے لفظ سطائر (Satire) طنز یا ہجو کے مفہوم میں سطیرس (ایک قسم کا مختلف الاعضا جانور) یا بقول دیگر الٰہۃ الفلاحت سے (جس کی ہیئت بکرے اور آدمی کی شکل سے مرکب تھی) ماخوذ ہے - دوسری طرف کیسبن اور اُس کے مقلّدین اِس مفہوم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں - کیسبن کا دعوی ہے کہ سطیرس سے سطیرا نظم کے مفہوم میں اخذ نہیں کیا جاسکتا ؛ کیونکہ سطیرا اسم نہیں بلکہ صفت ہے ؛ نظر براں اُس کو سطائر نہیں بلکہ سطائری کہہ سکتے ہیں ؛ دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہ کرنی چاہئے کہ الٰہۃ الخمر اور الٰہۃ الفلاحت کے لئے سال کی اولین مختلف زرعی پیداوار ایک چنگیر میں بطور نذر اور تہدیہ پیش کی جاتی تھیں - اِس چنگیر کو (Satura laux) کہتے تھے - نظر براں "سطائر" کا مفہوم ایک ایسی نظم سے بھی

وابستہ کیا جا سکتا ہے جس میں مختلف اقسام کی پست اور رکیک طعن و طنز مختلف بحروں میں ادا کی جاتی ہوں -

یونانیوں کے یہاں ایک اور چیز بھی تھی جسے وہ سِلّی (Silli) کہتے تھے ؛ یہہ ایک طرح کی دشنامی نظم ہوتی تھی اور رومن سطائر سے مشابہ تھی - طیمون (Timon) نے جو سِلّی لکھی تھی اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں پیروڈیز (ایک قسم کی مضحک تضمین) بھی مقبول تھی جس میں کسی معقول اور سنجیدہ نظم کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیرکر مضحک بنا دیتے تھے - لیکن اُس کے ساتھہ اِس امر کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہہ صنف کلام اہالیان روم میں بھی عام تھا - آسونیس (Ausonius) نے جو قطعات لکھے تھے اُس میں ورجل (Virgil) کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیر کر پوری نظم کو مضحک بنا دیا تھا - لسان العصر اکبر مرحوم کی بعض نظمیں بھی اِس قسم کی ہیں جن میں حافظ کے بعض اشعار یا غزلوں کو اِس طور پر اُلٹ پلٹ دیا ہے اور ایسے مصرعے چسپاں کر دئے ہیں کہ پوری نظم دلچسپ اور مضحک بن گئی ہے - قونطلین (Quintilian)) اور ہوریس (Horace) کا یہہ بھی دعوی ہے کہ طنزیات کی تکوین اور نشو و نما لاطینی فضا میں ہوئی ہے اور وہیں سے یہہ یونان کو منتقل ہوئی ہیں -

طنزیات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اِس سے ایک طور پر یہہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقت ڈراما اور تھئیٹر کے اولیں اشارات اُنھیں رنگ‌رلیوں ؛ قربانیوں اور فحاشیوں سے وابستہ ہیں جو تمدن اور معاشرت کے عہد اولیں

میں برسرکار تھیں اور یہہ کچھہ تھئیٹر اور ڈراما ھی پر منحصر نہیں ھے بلکہ خود موجودہ عہد کے جتنے مہذب یا غیر مہذب رسمیں ؛ مذہبي یا روائتي عید یا تیوھار ھیں اُن سب کا تاریخی اور نفسیاتي پہلو ؛ عہد اولین کے اُنھیں معتقدات نظری یا عملي سے وابستہ ھیں -

مرور ایام سے معاشرت اور مذاق میں بھي انقلاب پیدا ھوا ؛ اور وھی چیز جو کسي وقت غیر مرتب اور غیر منظم صورت میں موجود تھي نسبتاً مرتب اور منظم نظر آنے لگی - فیسنائین (Fescennine) جو کسي وقت وزن اور قافیہ سے بالکل معرا تھی ؛ اب اِن صفات کی حامل ھوکر زیادہ وسیع اور مقبول بن گئي - یہاں تک کہ جولیس سیزر نے جب گالس پر فتح پائي اُس وقت یہہ عسکریوں کي زبان پر تھي ؛ لیکن ابھی اُس کو وہ رتبہ نہیں نصیب ھوا تھا کہ مہذب حلقوں میں باریاب ھو سکتي - لیکن کچھہ بعد زمانہ کے تصرّف سے اُن پر کسي قدر تمیز و تہذیب کا عمل ھوا اور رفتہ رفتہ فحش اور سوقیانہ عنصر بالکل حذف کر دیا گیا - یہہ گویا طنزیات کے علم و فن کا بحیثیت علم و فن کے اولین سنگ منزل تھا ؛ روم کے استیج پر طنزیات کو ایک مستقل وجود کي شکل میں پیش کرنے کا سہرا لوي اُس انڈرونیقاص (Livous Andronicus) کے سر ھے - یہہ ایک یوناني نژاد غلام تھا جس کو اُس کے آقا نے روم کے آزاد شہری بن جانے کا شرف عطا کیا تھا - انڈرونیقاص اپنے وطن کے طور طریقے مطالعہ کرچکا تھا ؛ اِس لئے روم کے استیج پر بھي اُس نے اُنھیں خد و خال کو نمایاں کرنا شروع کر دیا جو یونان کے امتیازی خصوصیات تھے - بعضوں کا تو یہاں تک خیال ھے کہ روم میں اِس نے یوناني استیج کے طور طریقے ھی نہیں نمایاں کئے بلکہ یہاں کے طرز انشا اور طریقۂ تصنیف پر بھي یونانی نقوش ثبت کر دئے - اِس نظریہ

کے تسلیم کرنے میں یوں تامل نہیں کر سکتے کہ اُس کی بزمیہ (کومیڈی) ارسطافینس کی تصانیف کی آئینہ ہے - اِس طور پر گویا روم کی تاریخ طنزیات میں تین مراحل نہایت نمایاں نظر آئیں گے -

(۱) وہ طعن و طنز جو ابتدا میں محض برجستہ فحاشی، پھکڑ اور رنگ رلیوں پر مشتمل تھی،

(۲) وہ درمیانی زمانہ جب طنزیات میں سے فحش اور سوقیانہ عنصر حذف کر دیا گیا اور ہر قسم کی بے محابا رنگ رلیوں میں کسی قدر سلاست اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی - یہہ گویا ایک قسم کی بے ہنگام نقالی اور ہزالی کا دور تھا جس میں نہ تو ابتدائی عہد کی فحاشی اور رکاکت تھی اور نہ بعد کے تماشوں کی تہذیب اور تنظیم -

(۳) لوی اِس اندرونیقاص کا دور جس نے طنزیات کو ایک مستقل حیثیت دے کر اسٹیج کے قابل بنا دیا اور جس کے متعلق یہہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُس نے یونانیوں کی قدیم بزمیہ کا احیاء کیا -

لوی اِس اندرونیقاص کو روم میں اسٹیج قائم کئے ہوئے ابھی نہایت مختصر زمانہ گذرا تھا کہ اینی اس (Ennius) پیدا ہوا - اُس نے اپنے ہموطنوں کی ذہانت اور طباعی کا پورے طور پر احساس کیا اور اِس نتیجہ پر پہونچا کہ جہاں تک طنزیات کا تعلق اسٹیج سے تھا اُس کی بعض نوعیتیں قابل گرفت تھیں - نظر براں سب سے پہلے اُس نے یہہ اصلاح پیش کی کہ رکاکت اور عامیانہ پن

کا عنصر کلیتاً حذف کرکے اُس کو لطیف اور سلیس‌تر بنا دیا جائے - اُس نے یہہ التزام بھی کیا کہ آیندہ سے اُس میں علمی آب و رنگ کا اضافہ بھی کر دینا چاہئے - بالفاظ دیگر اُس کو ایسا جامہ پنھانا چاہئے کہ اُس کا مشاہدہ ھی نہیں بلکہ مطالعہ بھی کیا جا سکے - اندرونیقاص کی تمام تصانیف اِن اساسی اصلاحات کی حامل ہیں -

ڈیسیر (Dacier) کا خیال ھے کہ اینی اس کے سامنے لویس اندرونیقاص کی تصانیف نہ تھیں جس کی تمامتر بنیاد یونانی بزمیہ پر تھی بلکہ یہہ رومن سطائر کا خوشہ چین ھے - لیکن ڈرائڈن کو اِس نظریہ سے اختلاف ھے - اُس کا بیان ھے کہ اینی اس کی تصانیف کا ماخذ یونانی بزمیہ اور اُس کی دلنشین نوک جھونک ھے جس کا مظہر اندرونیقاص کی تصانیف تھیں - دوسری طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ اینی اس کو اطالوی تھا لیکن یونانی السنہ کا زبردست عالم تھا - یہاں تک کہ اُس کا عقیدہ تھا کہ ھومر کی روح نے اُس کے کالبد کو اپنا نشیمن بنا لیا تھا - نظر براں یہہ تسلیم کرنا حقیقت سے دور ھوگا کہ اُس نے اپنے ھموطنوں کے مزخرفات اور دھقانیت سے استفادہ کرنا کبھی گوارا نہ کیا ھوگا - بہر حال اُس نے یونانی بزمیہ سے استفادہ کیا یا اُن بےمحابا اور بےھنگام نقالیوں یا فحاشیوں سے فائدہ اُٹھایا ھو جو روم میں عروج پر تھیں - یہہ امر مسلمہ ھے کہ اینی اس رومن طنزیات کا اولیں مصنف ھے -

اینی اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) اُس کے بعد پیدا ھوا؛ اِس لئے اپنے ماموں ھی کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنایا - یہہ بھی ممکن ھے کہ اینی اس نے اُس کی تعلیم و تربیت

اپنے مخصوص نہج پر کی ہو۔ لوسی لیس کے دوران حیات ہی میں پقوویس (Pacuvius) نمودار ہوا۔ اس نے اسی یونانی بزمیہ کو لطیف تر پیرایہ سے اختیار کیا جس کا اولین رومن طنزیات میں اندرونیقاص کے عہد تک وجود نہ تھا۔ هوریس کا خیال ہے کہ لاطینیوں میں اولین طنزی شاعر لوسی لیس ہے۔ لیکن ڈرائڈن کا بیان ہے کہ اُس نے اینی اس کی طنزیات میں صرف ایک قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا۔ اور یہ خیال بعید از قیاس ہے کہ خود لوسی لیس نے کسی قسم کی طنزیات وضع کی۔ مگر زمانہ کی رفتار کے ساتھہ ساتھہ جوں جوں رومن زبان زیادہ سنجیدہ اور سلیس ہوتی گئی اُس میں یونانی زبان کی شیرینی اور لطافت قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی گئی؟ بایںہمہ هوریس اور قونطلین دونوں لاطینی طنزیئین میں لوسی لیس کو فضل تقدم دیتے ہیں۔

یہاں طنزیات کی ایک دوسری صنف کو بھی بیان کر دینا مصلحت سے خالی نہ ہوگا؟ طنزیات کی یہہ قسم بھی قدما کی میراث ہے اور اُنھیں سے منتقل ہوتی آئی ہے۔ عام طور پر اُس کو وارونی طنزیات کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن وارو (Varro) جس سے اس قسم کی طنزیات وابستہ کی جاتی ہے اُس کو مینپّی (Menippian) بتاتا ہے۔ روم کی دنیاے ادب میں وارو علامۂ اجل تصور کیا گیا ہے۔ یہہ مینیپس (Menippus) کا متبع تھا جو فلسفہ کلبی کا معتقد تھا۔ اینی اس کی طنزیات کی مانند وارونی طنزیات میں نہ صرف مختلف اقسام کی نظمیں شامل تھیں بلکہ اُس میں نثر کی بھی آمیزش تھی۔ وارونی طنزیات اب تقریباً لاپتہ ہیں

سوا ان چند مختلف اجزا کے جو اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار
سے بالکل مسخ ہو چکي هیں - خود وارو کا بیان هے کہ اُس نے
اپني تصانیف میں نہ صرف مطائبات اور مضحکات کو دخل دیا
هے بلکہ اُس میں فلسفہ کے پیچیدہ اور دقیق مسائل بھي داخل کردئے هیں
وارو کے متبعین میں سے ایک بطرونیس اربطار (Petronius Arbiter)
هے جس کي تصانیف کے متعلق کہا جاتا هے کہ هالینڈ
میں شائع هوئي هیں دوسرا سینیکا (Seneca) هے جس کی متعدد
تصانیف مثلاً کلاڈیس (Claudius) اور سیمپوزیم (Symposium) وغیرہ
هیں - دور جدید میں اریسمیس (Erasmius) اور بارکلے وغیرہ
گزرے هیں - انگریزي ادب میں وارونی اتباع کا پہلو کہ اس میں
نثر کا حصہ بھي شامل هوتا تھا صرف اسپنسر (Spenser) اور
ڈرائڈن (Dryden) کے بعض تصانیف میں نظر آتا هے -

هوریس، جوونل اور پرسي‌اس

رومن طنزیات کے بعض اهم پہلوؤں سے آشنا هونے کے بعد یہ
ضروري هے کہ چند مشہور اور مستند لاطیني طنزیئین مثلاً هوریس،
جوونل اور پرسي اس کے طرز کلام پر ایک
مختصر تنقیدی نظر ڈال لي جائے تاکہ آیندہ
ان لاطیني طنزیئین کے تذکرہ کا جب موقعہ آئے اور ان کا حوالہ دیا جائے
تو مفہوم آساني کے ساتھہ ذهن نشین هوسکے -

اسیمٹن (Smeaton) کا قول هے کہ هوریس جوونل اور پرسي‌اس
هر ایک نے کم و بیش لوسي‌لیس (Lucilius) کے طنزیات سے
استفادہ کیا هے - هوریس نے اس فن کو اوج کمال پر پہونچا
دیا - اُس نے لوسي لیس کي طنزیات کو ان مخصوص حالات اور

واقعات رسم و رواج اور طور و طریقہ کا ہم آہنگ بنادیا جو عہد آگسٹس (Augustus) کے امتیازات خصوصي تھے - ہوریس نے اپنے سلجھدہ اور شگفتہ مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا مذہبي تقدس پیدا کر دیا تھا - آگسٹس کے عہد حکومت میں غیر ملکي عنصر جسقدر غیر ملکي عنصر پر غالب ہوگیا تھا اور روم کي مہتم‌بالشان سیرت خصوصی پر جیسا کچھہ اُس کا مذموم اثر پڑ رہا تھا، ہوریس نے اُن پر نہایت دلگداز حملے کئے ہیں - کبھي یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طغیان اور عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کي حیثیت سے مطالعہ کررہا ہے؟ کبھي یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اُس عصیان زار میں گردش کھا رہا ہے - اس کے بعد یکایک اُس کا لہجہ بدل جاتا ہے اور وہ سوسائٹي کي سفاہت اور شقاوت اور اُس کي بے بصري کا ماتم کرنے لگتا ہے جو مسائل حیات کي حیات بخش پاکیزگیوں کي طرف سے برتے جاتے تھے - ہوریس کا پورا نمونہ اکبر مرحوم کے کلام میں ملتا ہے - ہوریس کے مانند اکبر مرحوم بھي اسطور پر کہتے تھے گویا صرف مذاق و مزاح کو دخل دے رہے ہیں - وہ سب کچھہ ہنس ہنس کر اور ہنسا ہنسا کر کہتے سنتے تھے -

پرسي‌اس (Persius) فلسفہ زینوني کا معتقد تھا - اس کي تمام‌تر تصانیف اسي عقیدہ کي ترجمان ہیں - وہ صداقت کا علمبردار تھا وہ بھي اسطور پر کہ اُس کے ہر لفظ سے خلوص اور سنجیدگي کا اظہار ہوتا تھا - رومن طنزیات کي تزئین اور تہذیب کا سہرا پرسي اس ہي کے سر ہے - اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اس راز کا انکشاف کیا کہ طنزیات کي کامیابی اور کمال کے لئے لازم ہے کہ صرف ایک ہي موضوع اور مضمون ہو - ایک فرد خاص ہو جس میں

اگر دوسرے عیوب ظاهر بهي هوں تو محض سر سري طور پر سرزنش کر دیجائے - پرسي اس کے وضع کئے هوئے یه وہ اصول تھے جنکی پیروی انگریزي ڈراما نے کي هے یہاں بهي صرف ایک هي ترتیب اور تنظیم هوتي هے اور ایک ضمني پلاٹ هزل اور نقالي کا بهي هوتا هے تاهم وہ اصل واقعه یا موضوع سے رهنموں رهتا هے - هوریس کے یہاں یه خصوصیت نہیں پائي جاتي ؛ لیکن اُس کے متبعین اِسي سلسله میں یه دلیل پیش کرتے هیں که اُس کے یہاں وحدت اور یکتائي موضوع کی یوں ضرورت نه تهي که "سطائر" کا لفظ هي عبارت هے ایک ایسے طباق یا چنگیر سے جس میں مختلف اقسام کا غله اور پهل هو - پرسي اس نے رومن ڈراما میں جو جدت پیدا کي تهیٔ اور جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا هے ؛ اُسی کو فرانس کے مشہور نقاد بوائلو (Boileau) نے بهي خضر راہ بنایا هے - جوونل نے پرسي اس کي تقلید کي هے یه بهي محض ایک هي نقص یا عیب کو مخصوص کر لیتا تها اور اِسي کي سرزنش پر اپني پوري قوت صرف کرتا تها - جوونل کي طنزیات اپني شعلهنوائي اور خطیبانه هیجان و طغیان میں مثال نہیں رکھتیں - اِن خصوصیات کا وہ امام هے - جوونل کا پیرایه بیان انگلستان میں لینڈلینڈ اور هندوستان میں مولانا ابوالکلام کی تحریروں میں ملتا هے - بلکه یوں کہنا بهي حقیقت سے دور نه هوگا که اپنے اپنے طرز کے اعتبار سے لینڈلینڈ اور مولانا ابولکلام ایک هی وادی کے دو امام هیں - لیکن لینڈلینڈ اور جوونل کے زاویۂ نگاہ میں یه فرق هے که گو اِن دونوں کے نقوش پر تیرگي محیط هے ؛ لیکن لینڈلینڈ کے

ظلمت کدہ میں کبھی کبھی امید کی شعاعیں نظر آ جاتی ہیں دوسری طرف جوونل کی تاریک فضا امید کی طلعت ریزیوں سے بالکل بے نیاز ہے -

یہاں تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے وہ طنزیات کی شان نزول سے متعلق تھا - اب تک یہ کہیں نہیں بتایا گیا ہے کہ طنزیات کی تعریف اور اُس کا ادبی مفہوم کیا ہے -

طنزیات یا ہجو و ہجا کی تعریف

کسی چیز کی تعریف پہلے بیان کرنا اور پھر اُس کی تشریح اور توضیح کردینا میرے نزدیک ایک ایسا اصول ہے جو ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی - کسی واقعہ یا مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ سب سے پہلے وہ فضا پیش کر دی جائے اور وہ روایات پیش کردی جائیں جن کی ماتحت وہ واقعہ ظہور پذیرا ہوا ہو -

ہجا کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ کسی شخص ، شے یا واقعہ کی برائی بیان کی جائے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز ، صحیح ہو یا غلط ، اُس کی مختلف نوعیتیں ہیں اور اُس میں سب و شتم ، طعن و طنز ، ہنسی ، ٹھٹول ، نوک جھونک ، فحاشی ، پھکڑ اور مغلظات سب آ جاتے ہیں - لیکن جب سے اُس کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہوئی ہے اُس کا مفہوم بھی محدود کر دیا گیا ہے - "سطائر" (Satire) کا جو مفہوم انگریزی میں ہے اُس کی پوری اور صحیح ترجمانی (ہماری یہاں کے کسی ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ہے - عربی اور فارسی میں اس موقعہ پر چند الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں - مثلاً ہجو و ہجا ، ہجو ملیح ، تعریض ، تنقیض ، لعن و طعن ، طعن و طنز ، استہزا ، مذمت ، مضحکات

شطحیات جد و ہزل وغیرہ - ان الفاظ کے دینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اِن میں سے ہر ایک ''ستائر'' (سطائر) کا مترادف ہے - اکثر اُن الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ (مناسبت موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کی ترکیب اختیار کی جاتی ہے -

راقم اسطور نے اُن میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ہے یہ صحیح ہے کہ طنزیات سے بھی وہ مفہوم پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتا جو ''سطائر'' میں مضمر ہے - لیکن اُس میں بھی شک نہیں کہ ''طنزیات'' کا مفہوم سطائر (Satire) کے مفہوم سے بڑی حد تک متجانس اور ہم آہنگ ہے - دوسری خوبی یہ ہے کہ اِس لفظ کے اختیار کرنے سے چند اور سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اور کچھ نہیں تو اِس میں کافی اشتقاقی سہولتیں ہیں - بہر حال یہ ناموں کا اُلٹ پھیر ہے بہت ممکن ہے اِس سے بہتر لفظ دریافت یا وضع کیا جا سکے -

''سطائر'' کی تعریف ہلسی اس نے یوں کی ہے -

''یہ ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا - جو ہمارے ذہن اور دماغ کو آلائشات سے پاک کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے ؛ جس میں غلطیوں، جہالتوں اور اُن دیگر عوارض کو جو اِن سے مرتب ہوتے ہیں، فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ہے کبھی اُس کو بطور ڈراما دکھایا جاتا ہے اور کبھی یونہی پیش کیا جاتا ہے - بعض اوقات دونوں طریقوں پر ؛ لیکن اکثر اشارۃً و کنایۃً وہ بھی پست اور بے تکلفانہ انداز سے ؛ طریق گفتار تیز اور تلخ ہوتا ہے ؛ اُس کے

علاوہ کچھہ ظرافت اور تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ہے جس کا مقصد تنفریا تنغض یا ہنسی اور قہقہہ کا اکسانا ہوتا ہے ۔ ؟؟

در اصل یہ تعریف نہیں بلکہ تفصیل ہے اور تفصیل بھی نہیں بلکہ یہ ہوریس کی طنزیات کی تشریح ہے ۔ یہ کچھہ ضروری نہیں ہے کہ سطائر کا تعلق صرف ڈراما سے ہو یا صرف شعر میں ادا ہو یا طریق گفتار تیز اور تلخ ہو ۔ دوسری طرف عربی میں ہجا سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں کسی قوم ، کسی فرد ، کسی جماعت یا کسی زمانہ کی منقصت کی گئی ہو ۔

لیکن یہاں اس امر کو خصوصیت کے ساتھہ مدنظر رکھنا پڑے گا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق کسی قوم ، فرد ، جماعت اور زمانہ کی منقصت سے ہے ، وہاں تک تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہجو و ہجا میں منقصت کا پہلو ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے اور ہونا چاہئے ۔ لیکن رومن ، لاطینی اور عربی فضلا نے جو شرط شعر کی لگادی ہے وہ ایک بڑی حد تک غیر ضروری ہے ، ہجو و ہجا کا ایک اضافی پہلو تو شعر ہو سکتا ہے ، لیکن ہجو و ہجا کے لئے شعر کو لازمی قرار دے دینا کلیتہً دور از کار ہے ۔

راقم السطور کا خیال ہے کہ عربی شعرا کے مانند رومن اور لاطینی شعرا بھی شعر سے مراد خیالات کی ندرت اور برجستگی لیتے تھے اور جہاں تک رومن اور لاطینی طنزیئین کا تذکرہ ہوچکا ہے میرے مذکورہ نظرئے کی تائید ہوتی ہے ۔ رومن اور لاطینی طنزیات کی شان نزول بھی وہی بے محابا یا بر محل برجستگی ہے جس کو رومن ، لاطینی اور عربی شعرا شعر و شاعری کا جزولاینفک

سمجھتے رہے ہیں - نظر براں عہد حاضر میں ہجو و ہجا سے شعر
کی شرط اگر حذف کردی جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی
اور یہی نہیں بلکہ اس شرط کو قائم رکھنے سے بہت سے مستند
طنزئیں اس جماعت سے حذف ہوجاتے ہیں ؛ روم اور یونان میں
طنزیات کی ابتدا ایک قسم کے ڈرامے سے ہوئی تھی - اس لئے
شعر کی قید ممکن ہے ضروری سمجھی گئی ہو ؛ دوسری طرف
عربی شعرا ہیں جن کا رخت حیات ہی شعر و شاعری پر مشتمل
تھا - لیکن اُردو طنزیئین ایک بڑی حد تک اس قید سے آزاد
ہیں اِن کا شمار جائز طور پر بہترین طنزی مصنفین میں ہوسکتا ہے -

بقول تھیکرے؛ طنزی ؛ حتی الوسع زندگی کے ہر شعبہ پر
ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکر و فریب ؛ رعونت و منافقت ؛ حق و
باطل کے خلاف اُس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالاخر ہمارے جذبات
مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کو تحریک ہوتی ہے اور ہم
اِن جذبات کو بر سرکار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں - مظلوم اور
ناتواں کے لئے شفقت محسوس کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفریں
و ملامت تصوّر کرتے ہیں -

تھیکرے نے ہجو و ہجا کے باب میں جو اظہار خیال کیا ہے
وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور در اصل
ہجو و ہجا کے صحیفہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے - یہاں ہم کو یہ
دیکھنا ہے کہ ہجو و ہجاؔ کی مسلمہ تعریف کیا ہے انگریزی ادبا
اور فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال یہ ہے -

"ہجو و ہجا (طنزیات کے مفہوم میں) کا مقصد یہ ہے کہ کسی
بے ہنگام یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر ؛ ہمارے جذبۂ تفریح
یا نفرت کو تحریک ہو بشرطیکہ اس ہجو و طنز میں ظرافت

یا خوش طبعی کا عنصر نمایاں ہو اور اسے ادبی حیثیت بھی حاصل ہو ۔ اگر اِن حیثیتوں کا فقدان ہوا تو پھر یہ محض گالی گلوچ یا دھقانیوں کی طرح منھہ چڑھانا ہوگا ''

(انسائکلو پیڈیا برٹانکا)

اس تعریف کو ھجو و ھجا کی بیسویں صدی عیسوی کی تعریف کہہ سکتے ھیں ورنہ رومن اور لاطینی طنزیئین کی ایک بڑی تعداد جن کے یہاں سوا پھکڑ اور فحاشی کے کچھہ اور نہیں ھے طنزیئین کے صنف سے خارج ھو جاتے ھیں دوسری طرف ان طنزیئین کی تصانیف کو وہ ادبی حیثیت بھی حاصل نہیں ھے جو انگریزی فضلا کے پیش نظر ھے ۔

اصلاً ھجو و ھجا سے تنقیص و تعریض مراد ھوتی ھے ۔ ایسی تنقیص یا تعریض جس سے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ھوتی ھو ، راقم‌السطور کا ذاتی خیال ھے کہ اس قسم کی تنقیص یا تعریض کو ادبی حیثیت حاصل ھو یا نہ ھو ان کا اپنے مورد پر پورے طور چسپاں ھو جانا از بس لازمی ھے اگر یہ پورے طور پر (بقول شخصے) '' چپک نہیں جاتیں '' تو پھر ان کو ھجو و ھجا یا طنزیات کے بجائے '' لغویات '' کہنا زیادہ موزوں ھوگا ۔ ھجو و ھجا کے سلسلہ میں بہت سے الفاظ جملے یا لطیفے ایسے ھو سکتے ھیں جو ادب کی کسوٹی پر صحیح اُترنا تو در کنار اس کے قریب بھی نہیں لائے جا سکتے ، لیکن اپنے مفہوم اور موقع و محل کے اعتبار سے اتنے موزوں اور برجستہ ھو سکتے ھیں کہ اُن پر ھجو و ھجا کا پورا طور پر اطلاق ھو سکتا ھے ۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ھے کہ بہت سی چیزیں ادبیت سے مُعرا ھو سکتی ھیں بایںھمہ

یہی نہیں کہ اکثر مذاق سلیم پر قطعاً بار نہیں ہوتیں بلکہ مذاق سلیم ان کا شکر گزار بھی ہوتا ہے ۔

نظر بہاں ہجو و ہجا سے ایسی تنقیص ' تعریض یا تضحیک مراد ہے (اور اس میں وہ تمام الفاظ ' آواز ' انداز ' حرکات و سکنات اور اشارات شامل ہیں جو ـــ فرض کرلیجئے کانگریس سے منسوب کئے جا سکتے ہیں اور جن کے خلاف آرڈیننس نافذ ہو چکے ہیں) جو اپنے مورد پر ہر حیثیت سے یا کسی نا کسی پہلو سے لیکن پورے طور پر چسپاں ہوتی ہو ۔ اب رہا یہ امر کہ کس طور پر یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے ہمارا ذاتی خیال ہے کہ تنقیص یا تعریض کے لیے لازم ہے کہ وہ حقیقت پر مبنی ہو ۔ اس سلسلہ میں بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں وہ اصول پیش کردئے جائیں جو ہجو و ہجا کے صحیفۂ اخلاق میں عربوں کے یہاں ملتے ہیں '

(۱) جو چیز فی نفسہ قبیح یا مکروہ ہے اس کی ہجو کیجا سکتی ہے ۔

(۲) جسمانی یا فطری نقائص یا معائب کی مذمت نا روا ہے ۔

(۳) آبا و اجداد کی فرد گذاشت پر اولاد کو مورد لعن طعن قرار دینا نا جائز ہے ۔

(۴) اُنہیں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاہئے جو عقل کے نزدیک قابل گرفت ہوں ۔

(۵) بہترین ہجو وہ ہے جو جلد ذہن میں محفوظ ہو جائے جس کی ترکیب اور معنی میں پیچیدگی نہ ہو جس کو عام مذاق جلد قبول کر لے اور صرف قبول ہی نہ کر لے بلکہ اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو ' وغیرہ ۔

اب تک طنزیات اور طنزیئین کے سلسلہ میں جو کچھہ بیان کیا گیا ہے وہ عہد قایم سے متعلق تھا اور ان زبانوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے جن کا شمار کلاسکس ادبیات عالیہ) میں ہوتا ہے اس کے بعد کوئی اور ایسا مرتب اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا جس پر وثوق کے ساتھہ کوئی حکم لگایا جا سکے یا جس کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھہ سود مند ہو ۔ اس میں شک نہیں ' از منۂ وسطی ' طنزیات کی ایک وسیع جولانگاہ پیش کرتا ہے ۔ ارباب کلیسا کی فرسودہ معتقدات ان کی خلوت اور جلوت کی کارستانیاں ' جنس نازک کی کافر ماجرائی اور عشوہ‌زائی ؛ اصحاب دول کی فرعون سامانی ' ایسے واقعات نہ تھے جو اس عہد اور فضا کے لیے کسی طور پر ناساز گار ہوتے تاہم طنزیات کا کوئی مخصوص اسکول ' نہیں ملتا اور ہر پھر کر نگاہیں صرف رینارڈ اور ڈانٹے پر پڑتی ہیں ۔

انگریزی طنزیات

قرون وسطی میں رینارڈ اور ڈانٹے کا نمونہ انگلستان نے صرف لینگلینڈ اور چاسر کی ذات میں پیش کیا ہے یہ دونوں اپنے احساس اور تعلیمات کے اعتبار سے هوریس اور جورنل کے علمبردار تھے ۔ ایک کی حیثیت اس دین‌دار کی تھی جو دشمنان عقل اور ذوق کو ہنسی دل لگی اور طعن و تشنیع سے مغلوب کرنا چاہتا تھا ' دوسرا اپنا پیام رسالت اُن کے خلاف پیش کرنا چاہتا تھا اور اُس کے لئے کبھی کبھی انتہائی طیش ناکیوں کے ساتھہ برھم نظر آتا تھا ۔ یہ دونوں مسالک انگریزی ادب میں اب تک کسی نہ کسی طور پر نمایاں ہیں ۔ ایک کے متعقد ۔

چاسر ' اڈیسن ' سوئفٹ ' تھیکرے اور ٹینیسن ہیں اور دوسرے کے علمبردار لینگلنڈ ' نیشن ' ڈرائڈن ' پوپ جانسن اور براؤننگ ہیں ۔

وجود میں آئے اس کا تفصیلی تذکرہ تقریباً نا ممکن ہے اور بے محل بھی - سولہویں صدی کے آخر اور جیمس اور کی وفات تک تقریباً سو شعرا اور نثار گذرے ہیں - بشپ ہال اس عہد کا بہترین نمونہ ہے - هوریس اور جورنل کا اُس نے نہایت شوق اور محنت کے ساتھہ مطالعہ کیا تھا اور ان کا بہترین متبع تسلیم کیا جاتا ہے - ہال کا ہم عصر طامس نیش تھا جس نے جورنل کی اس خوبی سے پیروی کی تھی کہ بسا اوقات وہ خود جورنل کی سطح پر پہونچ جاتا تھا - ہال کا دوسرا ہم عصر طامس ڈیکر تھا جس کی ایک تصنیف ”گلس هارن بک“ ہے - اُس نے لنڈن کی معاشرتی زندگی پر نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ حملہ کیا ہے - ہال کے بعد بعض حلقوں میں جان مارسٹن کو دوسرا درجہ دیا جاتا ہے -

اس عہد کے جتنے طنزی شعرا گذرے ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر نے هوریس اور جورنل کے نقش قدم کو اپنا رہبر طریقت بنایا ہے - اُن کے یہاں اسلوب و انداز سے زیادہ نفس مضمون اور موضوع پر زور دیا جاتا تھا - جان بار کلے کی تصانیف بعض حلقوں میں اِس عہد کی بہترین ترجمان ہیں - بارلیمانی جنگ کے دوران میں طنزیات کی سطح کسی قدر پست نظر آنے لگی تھی اُس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ شعرا زیادہ تر مذہبی اور جماعتی مناقشات میں الجھے رہے اور جیسا کے عام قاعدہ ہے ایسی حالت میں دریدہ دھنی مذاق سلیم پر اکثر غالب آ جاتی ہے جس کی نمایاں مثال کلیولینڈ ، اولڈھم اور کسی حد تک سموئیل بٹلر ہے -

لیکن یہ سب کچھہ پیش خیمہ تھا انگریزی طنزیات کے اس عہد زرین کا جس میں انگلستان کا بہترین اور بزرگ ترین طنزی شاعر جان ڈرائڈن عالم وجود میں آیا - جہاں تک طنزیئین کی

تعداد و شمار کا تعلق ہے الزبتھہ کا عہد ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ' لیکن جہاں تک اس صنف کلام کی شگفتگی اور شگوفہ زائی کا تعلق ہے ہم کو سترھویں صدی کا آخری اور اٹھارویں کا تقریباً نصف ابتدائی حصہ مدنظر رکھنا پڑے گا جب ڈرائڈن کی دو مشہور تصانیف ابسلم اور اکٹوفیل شائع ہوئیں - اس زمانہ میں طنزیات کے وہ مایہ ناز علم بردار گذرے ہیں جن کا نام انگریزی ادب میں شاید کبھی فراموش نہ ہو - ڈرائڈن ' سوئفٹ ' ڈیفو ' اسٹیل ' اڈیسن ' اور پوپ کے تمام شاہکار اسی عہد کے یادگار ہیں - گولڈ اسمتھ ' شیریڈن ' مور ' اور بائرن بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں -

مذکرہ صدر عہد بھی مختلف ادوار پر مشتمل ہے ڈرائڈن سوئفٹ کلیولینڈ اور پوپ اپنے اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے اتنا ھی مختلف ہیں جتنا خود ہوریس اور جورنل - اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس وقت انگریزی ادب پر فرانسیسی ادبی رنگ غالب آ چلا تھا جس میں سب سے زیادہ نمایاں اثر فرانسیسی نقاد اور طنزی شاعر بوائلو کا تھا - انگریزی ادب میں ' ڈرائڈن کے بعد ''محتسب ادبی'' کی حیثیت اس کو حاصل تھی - سوئفٹ ' پوپ اور ڈرائڈن ہر ایک نے بوائلو کے تصرف اور فیضان کو انتہائی عقیدت سے تسلیم کیا ہے - لیکن اس میں بھی شک نہیں ' اس تمام عظمت اور برتری کے با وجود جو سوئفٹ ' ایڈیسن پوپ اور بائرن کو حاصل ہے ان کی تمامتر خوبیاں ڈرائڈن کے فیضان کی منت کش تھیں -

یہاں اس امر کا تذکرہ کردینا بھی غالباً بے محل نہ ہوگا کہ ڈرائڈن کے بعد جن طنزیگین کا نہایت زبردست اثر انگریزی ادب پر پڑا ہے وہ پوپ اور سوئفٹ تھے - ان کے ادبی کارناموں کا تذکرہ طوالت سے خالی نہ ہوگا لیکن غالباً اتنا اشارہ منزل مقصود کی طرف رہبری کرنے میں

متعین ہوگا کہ پوپ، ڈرائڈن کا شاگرد تھا ۔ شاگرد کی تصنیف نہ صرف استاد کی تمام صفات کی بہمہ وجوہ حامل ہے بلکہ شاگرد نے ایک حدتک خود اپنی ذاتی جوہر اور خوبی کا بھی نہایت صنعت کارانہ طریق سے اضافہ کیا ہے ۔ البتہ ایک اختلاف ایسا ہے جسکا تذکرہ غالباً بے موقع نہ ہوگا ۔ پوپ نے اپنے کلام میں طعن و تشنیع ' کینہ پروری اور زہر ناکی کو زیادہ دخل دیا ہے حالانکہ استاد کے یہاں فیاضی اور کشادہ قلبی کا عنصر غالب ہے ۔ پوپ اور سوئفٹ دونوں نے اٹھارویں صدی کے وسط میں رحلت کی ہے ۔ اُن کے بعد طنزیات کی ادبی لطافتیں زائل ہونے لگیں ۔ یہ انحطاط کچھ عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ گولڈ اسمتھ نے اس زندگی کی ایک تازہ روح پھونکدی ۔

انقلاب فرانس نے انگریزی طنزیات میں ایک جدید اسلوب کا اضافہ کیا جسکے تصرف سے طنزیات میں سیاسی عنصر کی ایکدفعہ پھر آمیزش نظر آنے لگی ۔ انیسویں صدی کے جن طنزی شعرا کا تذکرہ ضروری ہے اُس میں سب پہلا ولیم جیفو فرد ہے اُس نے بھی لاطینی اساتذہ فن کی تقلید کی ہے لیکن بسا اوقات اُس کے لفظوں اور فقروں میں شدت اور برہنگی اس درجہ غالب آ جاتی ہے یا ذاتیات کو وہ جس حدتک ہدف ملامت بناتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بے محل نہیں ہے کہ اکثر یہہ مذاق سلیم پر بار ہونے لگتا ہے ۔ اس عہد کی سب سے نمایاں ہستی بائرن ہے اس کی بعض تصانیف اس فن کا بہترین نمونہ ہیں بائرن کے بعد پریڈ کا دور آتا ہے جس کی نظموں کی شستگی اور پاکیزگی مسلم ہے ۔ اس کی حیات ہی میں لیمب' سودی ' ڈزرائلے اور ٹام ہڈ اسٹیج پر آئے ۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کے نقائص اور ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے ۔ مس آسٹین ' ڈکنس ' ڈگلس جیرولڈ کی طنزی تصانیف بھی مختلف نوعیتوں کے ساتھہ بلند پایہ تسلیم کی

گئي هيں - اسي سلسله ميں "امريکن اسکول" کي طنزيات کا مختصر ضمني تذکره بهي يہاں سے موقع نه هوگا - اس کی بنياد واشنگٹن ارونگ نے رکهي تهي اور اس کے متبعين هلر برٹن ، پالڈنگ ، هومس اور ڈڈلے هيں -

اب وه دور آتا هے جس ميں طنزيات نے اپني ديرينه شدت تلخي اور زهرناکی ايک حد تک نظر انداز کردي هے - يه مفسدت اور مطائبات کا عهد هے - هر بات خوشگوار انداز سے کهي جاتي هے حرب و ضرب کا عهد گزر چکا هے - کچهه خوشگوار شوخياں ، اچٹتي هوئی ضربيں ، تهوڑي بهت حريفانه چشمک - ليکن يه سب کچهه اس انداز سے که ادبي لطائف و ظرائف پامال نه هونے پائيں - انگريزي ادب ميں عام هيں - اس سلسله ميں مورتمر کولنس ارتهرلاک ، فريڈرک لوکر ، ڈبلو اس گلبرٹ ، ڈاکٹر والترس اسمتهه کا نام خصوصيت سے ليا جاتاهے -

موجوده دور ميں اسکرواٹلک چسٹرٹن اور برنارڈشا کا شمار بهترين طنزيئين ميں هوتا هے ، جس کي تفصيل في الحال نظر انداز کي جاتي هے -

در شعر سه تن پيمبرانند   هر چند که لانبي بعد ي
ابيات و قصيده و غزل را   فردوسي و انوري و سعدي

فارسي طنزيات

ليکن فارسی شاعري کا يه کرشمه بهي ديدني هے که ايک دور پر ان ميں سے هر ايک هجو و هجا کے فن کا بهي امام تها - فردوسي کے متعلق بهان کيا هے جاتا هے که اُس کو طنزيئوں کی صف ميں داخل کرنا جائز نهيں هے - ليکن اگر فردوسي کا تنها شاهکار شاهنامه هے تو يه کهنا بهی غالباً بے محل نه هوگا که خود شاه نامه سے کم شهرت اُس هجو کی نهيں هے جو [illegible]

خلاف لکھکر اُس کے دامن کو ہمیشہ کے لئے داغدار اور اُس کي ادبي پرستاریوں کو بے نور کرٗ دیا۔ بعضوں کا تو خیال ھے کہ یہ ھجو اور اُس کي شان نزول دونوں فرضي ھیں لیکن یہاں یہ بحث کسي حد تک غیر متعلق ھوگي ۔ شاہ نامہ کے پرستاروں کي تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے ھوئے یہ خیال قریں قیاس ھے کہ اس واقعہ (ھجو گوئي) کا قطعاً صحیح یا کلیۃً فرضي ھونا دونوں صحیح ھوسکتا ھے ورنہ یا تو شاید شاھنامہ محض ایک "دوسرے درجہ" کي کتاب ھے یا اُس کے پرستاروں کا شمار "تیسرے درجہ" کے لوگوں میں ھے ۔

شاھنامہ یا ایران کي داستان رزم و بزم فردوسی نے جس طور پر تن تن اور جھوم جھوم کر سنائي ھے اس سے کون نہیں واقف ھے ۔ اس سلسلہ کي آخري کڑیاں بھي ملاحظہ ھوں ۔

یکے بندگي کردم اے شہریار	کہ ماند ز تو در جہاں یادگار
بسے رنج بردم دریں سال سی	عجم زندہ کردم بدیں پار سي
اگر شاہ را شاہ بودے پدر	بسر بر نہادے مرا تاج و زر
و گر مادر شاہ با نو بُدے	مرا سیم و زر تا بزانو برے
چو اندر تبارش بزرگي نبود	نیا رست نام بزرگاں شنود
پرستار زادہ نیا ید بکار	اگرچہ بود زادۂ شہریار
سر نا سزایاں بر افراشتن	و زیشاں امید بھي داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است	بجیب اندروں مارپروردن است
درختے کہ تلخ است ویراسر شت	گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئي خلدش بہنگام آب	بہ بیخ انگبیں ریزي شیرناب
سر انجام گوھر بکام آورد	ھماں میوۂ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بھي داشتن	بود خاک دردیدہ انباشتن
جہاں راچواین است آئیں و ساز	کہ ساز د فرومایہ را سرفراز

پشیزے بہ از شہریار چنیں ــ کہ نے کیش دارد نہ آئین ودیں
ازاں گفتم ایں بیتہائی بلند ــ کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا ــ بماند ہجا تا قیامت بجا

فردوسی کو طنزیئیں کے صف میں داخل کرنا بعضوں کے نزدیک اگر غیر متعلق یا غیر صحیح ہے تو غالباً علامہ شبلی مرحوم کے اس فیصلہ کو ملحوظ رکھنا بھی بعضوں کے نزدیک ایک سند جواز ہے -

"کلام کی جہانگیری دیکھو - محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مٹادیں ؟ ملک کے ملک غارت کر دئے ؟ عالم کو زیر و زبر کر دیا ؟ مگر فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے " -

سلطان سنجر کے دربار کا نہایت زبردست اور معزز شاعر انوری بھی اس فن میں یکتائے عصر مانا گیا ہے - انوری کے نزدیک ہجو کی شان نزول یہ ہوتی ہے -

* سہ بیت رسم بود شاعران طامع را
یکے مدیح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد سیم شکر ورنہ داد ہجا
ازیں سہ بیت دوگفتم د گرچہ فرمائی

آخر عمر میں انوری ہجو و ہجا سے تائب ہوگیا تھا جس کا تذکرہ ایک قطعہ میں نہایت بلاغت سے کیا ہے اور چوں کہ یہ خود اپنی وقت میں اس فن کا امام رہ چکا ہے اس لئے ہجو اور ہجو گوئی کے متعلق اس کا نظریہ ہر طور پر قابل التفات ہے -

دی مرا عاشقکے گفت غزل میگوئی
گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ہم

* یہ اشعار خلاق المعا نی کمال اصفہانی کے جانب بھی منسوب کئے جاتے ہیں -

گفت چون گفتمش آن حالت گمراهی بود
حالت رفته دگر باز نه آید ز عدم

غزل و مدح و هجا هر سه ازاں گفتم
که مرا شهوت و حرص و غضبے بود هم

آں یکے شب همه شب درغم و اندیشه آں
که کند وصف لب چوں شکر و زلف بخم

واں دگر روز همه روز دراں محنت و غم
که کجا از که و چوں کسب کند پنج درهم

واں سه دگر چوں سگ خسته تسلیش براں
که زبو نے بکف آرد که از و آید کم

چوں خدا ایں سه سگ گرسنه راخاشاکم
باز کرد از سر من بنده عاجز به کرم

غزل و مدح و هجا گویم یارب زنهار
بس که بانفس جفا کردم و بر عقل ستم

شعرائے فارسي میں هجو کا معیار نہایت پست رها هے اور افراد کي هجو میں یه اکثر انتہائی رکاکت اور فحاشي کو دخل دینے لگتے هیں - لیکن جہاں یه رکاکت ارر فحاشی بجائے خود بے محل اور غیر متعلق هوجاتي هے ؟ وهاں اُن کي مبالغه آفریني اور جدت طرازي دلچسپ بهي هوجاتي هے -

فارسی شعرا کو گهوڑے کی هجو لکهنے میں نہایت لطف آتا هے - انوری نے گهوڑے کی هجو لکهی هے -

بر عادت از و فاق بصحرا بروں شدم
بایک دو آشنا هم از ابنائي روزگار

اسپے چناں کہ دانی زبر از میانہ زیر
وز کاہلی کہ بود نہ سکسک نہ راہوار
در خفت و خیز ماند ہمہ راہ عیدگاہ
من گاہ از و پیادہ و گاہی براو سوار
نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور
نہ از زمین خستہ بر انگیختے غبار
گہ طعنہ ازیں کہ رکابش دراز کن
گہ بذلہ ازاں کہ عنانش فرو گذار

اِس سلسلہ میں سودا کی نظم ہجو اسپ موسوم بہ "تضحیک روزگار" بھی قابل اعتنا ہے - بہت ممکن ہے سودا نے انوری ہی کی نظم پیش نظر رکھہ کر یہ نظم مرتب کی ہو کیوں کہ دونوں کی بحر ایک ہی ہے اور بعض مقامات پر خیال کی پرواز بھی ایک ہی جانب ہوئی ہے - سودا کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کرنا غالباً ناضرین کی دلچسپی کا موجب ہوگا -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ ہوئے جمع خاص و عام
اکثروں مدبروں سے کہتے تھے یوں پکار
پہئے اسے لگاؤ تا ہوئے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

حکیم محمد بن عمرالجوهري الهروي نے بھي ایک قصیدہ اس موضوع پر ترتیب دیا ھے -

دی مرا آخر سالار خداوند جہاں
داد اسپے کہ ز پیر یست بفریاد و فغاں
سفتہ زن اسپ کہ از شانۂ او در رفتن
ھر زماں آید در گوش دگرگوں دستاں
راست مانند یکے اشتر باریک و حزیں
از سر شانہ بروں آمدہ او را کوھاں
پشتش از گوشت تھي گشتہ بسان تابوت
شکم از کاہ بپا گندہ بسان کہہ داں
سرطاں وار بیک پہلو در راہ رود
کہ ھمہ دست شد و پائے بسان سرطاں
در سر آید چو رسد پر شکمش زخم رکاب
بہ نشیند بدم انکہ چو کشي باز عناں
گفت با بندہ کہ با نوح بدم در کشتی
بکہ انکہ جہاں گشت خراب از طوفاں
یاد دارم کہ چو یوسف بعزیزي بنشست
سوئے مصر آمد یعقوب نبی از کنعاں

روحي والو الجي شاگرد قطران بن منصور ترمذی نے بھي اس میدان میں تگ و تاز کي ھے -

آں اسپ نارواں کہ زبے طاقتي چو آب
تا یافتے نشیب نرفتے سوئے فراز
بر دے بہر فراز و نشیبے ھزار بار
از دست و پائم لنگ زمین را بسر نماز

فرخاری نے بھی اسی موضوع پر چند اشعار کہے ہیں -

اسپے دارم کہ ہرگز ایزد
قانع تر ازو نیا فریند

تا روز زعشق جو ہمہ شب
از خرمن ماہ خوشہ چنید

گفتہ کہ جو نماند ازین غم
می خواہد تعزیت ازیں گزیند

بوسیدہ پلاس وپارۂ کاہ
می خواہد تا درو تشیند

سلمان ساؤ جی کا رنگ ملاحظہ ہو -

شاہا امید بود کہ خاہم بدولتت
بر مرکبے بلند و جوان و رواں نشست

اسپیم پیر و کاھل و کوتہ ھمی دھند
اسپے نہ آنچناں کہ توانم براں نشست

چوں کلک مرکبے سیہ و سست و لاغر است
جہل مرکب است بہ‌اسپے چناں نشست

از بندہ مہتر است بہ سی سال راستی
گستاخی است بر زیر مہتراں نشست

جمال‌الدین محمد عبدالرزاق اصفہانی نے یوں طبع آزمائی کی ہے —

صائم‌الدھر اسپکے دارم   کہ بدہ روز روزہ نکشاید
در رکوع است سال و مہ لیکن   گہہ گہے در سجود افزاید
روز عید است وھریکے امروز   . بطعامے دھن بیامدید
گر تفضل کند خداوندم   پارۂ کاہ جو بفرماید
ورنہ رخصت دھد کاندر شرع   روزۂ عید داشتن شاید

مرزا مقیم جوهري کي جولانئے طبع ملاحظه هو ـ

رود چو آب فرو بر زمیں زبار گراں
اگر کند گزر از زیر نخل سایه فگن
اگر گره نزنم بردمش زکثرت ضعف
بساں رشته تواند گزشت از سوزن
نخور ده کاه و نه دیده است، جو نه کند گیاه
بغیر یال و بالیش نیست در گردن
زبار ضعف سر از جائے بر نمیدارد
عناں بدارد اگر دست لطف در گردن

کوشکي قائینی ، محمد بن علي سوزني ، حکیم جلال ، دهقان علي شطرنجي ، عمعق بخاري ، صدر الدین عمر بن محمد الخرما بادي ، جلال الدین ناصر شمس غزنوي ، مجید الدین بیلقانی ، شرف الدین شفروه ، شرف الدین پدجدي ، سراج الدین اسفرائیني ، نجیب الدین خطاط ، اپنے اپنے عهد کے مشهور طنزیئین گذرے هیں ـ اِن میں سے هر ایک کي حاضر جوابی ، مطائبات ، مضحکات ، فحشیات یا مغلظات کا تذکره تفصیل کا محتاج هے جس کا موقع نهیں هے اور جس کي جرات بهی نهیں کي جاسکتی ـ

کمال اسمعیل کے باب میں کسي قدر تفصیل سے کام لینا قارئین کي دلچسپی کا باعث هوگا ، کمال کے متعلق علامه شبلي نے شعرالعجم حصه دوم میں فرمایا هے ـ

"شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یه هے که شاعري کي ایک ایسي صنف یعنے هجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی کي وجه سے لچوں کي زبان بن گئی تهی ، کمال نے اِس کو نهایت لطیف اور پر مزه کردیا ـ اگرچه بهتر تو یهي تها کے یه بیهوده صنف سرے سے اُڑا دی جاتي ، لیکن

ھجو شعرا کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کا تعلق تھا اس لئے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ھوسکتے تھے"۔

ھجو اور ظرافت کو بیہودہ صنف قرار دینا یا اُس کو شعرا کے معاش سے وابستہ کرنا ایسا دعویٰ ھے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ھے ۔ اس میں شک نہیں اگر اس سے مقصود اس مخصوص قسم کی ھجا ھے جو فارسی ادبیات میں پائی جاتی ھے اور جس کا پایہ بڑی حد تک یقیناً پست ھے تو اُس کا نہ ھونا بہر حال اولیٰ تھا ۔ یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لاطینی طنزیات کے اولین شعرا بھی اس قسم کی رکاکت کو روا رکھتے تھے، لیکن یہ موازنہ یوں خوش آیند نہ ھوگا کہ اُن کا ابتدائی عہد فارسی کے ترقی یافتہ دور سے ھم آھنگ ھے اور یہ فارسی شعر و ادب کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ھے ۔ لیکن اسی سلسلہ میں زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا کو بھی ملحوظ رکھنا چاھئے جو ھجو و ھجا کو بر سرکار لانے میں اسی جراُت اور پا مردی کا اظہار کرتے آئے ھیں جو میدان حرب و ضرب میں سرفروشوں اور جانبازوں کا طرۂ امتیاز رھا ھے، جنگ واٹرلو کے بارے میں کہا جاتا ھے کہ اُس کا فیصلہ ایٹن کے میدانوں میں ھوا تھا لیکن نپولین کی سطوت و جبروت کی پہلی شکست رولینڈ اور کرک شینک کی طعن و طنز اور ان کارٹونیوں (Cartoonists) سے ھوئی تھی جو ان آتش زبانوں کی تقلید کر رھی تھی ۔ میدان جنگ میں بظاھر شکست و ریخت کا انجام سامان، سپاھی اور اسلحہ جات سے وابستہ ھوتا ھے لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ھوتے ھیں کہ زوال کی اولین بنیاد وہ شعرا اور مصنفین رکھتے ھیں جن کی تحریر و تقریر فریق محارب کے خلاف یا موافق بر سر کار رہ چکی ھوتی ھے ۔

ھجو و ھجا کا حقیقي مفہوم فارسي شعرا نے بہت کم سمجھنے کی کوشش کي ھے - فارسي شاعری تقریباً تمامتر درباری رھي ھے اکثر وبیشتر شعرا دربار کو مد نظر رکھکر اظہار خیال کرتے تھے - اور یہي وجہ ھے کہ ان کا زاویہ نگاہ کافی وسیع نہ ھوسکا - یہي اعتراض ھوریس کي شاعري پر بھي وارد ھوتا ھے جس نے ھمیشہ آگسٹس اور اس کے دربار کي سامعہ نوازي کے لئے قلم کو جنبش دي لیکن اس قسم کي مثال کثرت سے نہیں ملیگي -

یہ ایک عجیب بات ھے کہ جہاں تک فارسي شعر و شاعری کا تعلق ھے ابتدا سے انجام تک شعر و سخن کا پایہ تقریباً یکساں بلند ھے عہد بعہد کي ترقیوں پر غور کیا جائے تو عام طور پر صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا بہت فرق نظر آئے گا لیکن جہاں تک جذبات کي مصوري اور فن شاعري کا تعلق ھے اول سے آخر تک یکساں سطح نظر آئے گي - ھجو و ھجا کا بھي یہي حال ھے لیکن شروع سے آخر تک جتنا عام شاعری کا پایہ بلند ھے اتنا ھي اس صنف کلام (ھجو و ھجا) کا پست اور رکیک ھے اور لطف یہ ھے اور یہ لطف عبرت سے بھي خالی نہیں کہ سعدي ایسا ثقہ اور متشرع شاعر بھي اس حمام میں آکر عریاں ھونے پر مجبور ھوا۔ دوسري طرف دور جدید کا مشہور قادرالکلام شاعر قا آنی ھے جس نے اس سر زمین میں پہونچکر وہ لے دے کی ھے کہ اس کي نظیر بمشکل کہیں اور ملسکے گی -

یہ بحث گو مزید تفصیل کی محتاج ھے لیکن بخوف طوالت ھم یہاں اسي پر اکتفا کریں گے - اب ھم قارئین کي توجہ ایک دفعہ پھر کمال کي طرف مبذول کراتے ھیں کمال نے ایک بخیل کا خاکہ یوں کھینچا ھے -

دي مرا گفت دوستے کہ مرا بافلاں خواجہ از پئے دوسہ کار

سخنے چند ہست ازپئے آں خلوتے می ببائدم ناچار
گفتم این فرصتے ارتوانی یافت وقت ناں خوردنش نگه میدار

کسی نے کمال کو برا کہا تھا اس کا جواب کس لطیف انداز سے دیا ہے ۔

شخصے بد ما بہ خلق می گفت ما از بد اونمی خراشم
ما نیکئی او بخلق گفیتم تا ہر دو دروغ گفتہ باشم

شیخ سعدی نے بھی بقول علامہ شبلی مرحوم (شعرالعجم) —

"غزل میں زاہدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ہے اور ریاکاری کی دقیق اور باریک کارسازیوں کی قلعی کھولی ہے خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے لیکن صاف صاف اور کُھلے کُھلے لفظوں میں شیخ کی طرح چبھتی چبھتی چوتیں نہ تھیں" —

شیخ سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ کہنا قرین حقیقت ہے کہ خود صوفیانہ شاعری نام نہاد طبقۂ زہاد وعباد کی فریب کاریوں پر ایک طویل اور جامع طنز ہے ۔ ایک حد تک یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ صوفیانہ شاعری کا فروغ بھی اسی عہد سے وابستہ ہے جب طبقۂ زہاد کی فریب کاریاں انتہا کو پہونچ چکی تھیں ۔ اس کی مثال عہد قدیم میں مشرق سے باہر بھی ملتی ہے ۔ لینگلینڈ نے اپنی تمثیلیہ میں قسیسیوں کی زیاں کاری اور راہبوں کی حرص و آز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ہے اس عہد کے معاشری معائب اور معاصی کی لینگلینڈ نے نہایت سخت سرزنش کی ہے ۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے زاہدوں کے "کار دیگر" کو اکثر نہایت لطیف اور دلدوز انداز سے برافگندہ نقاب کیا ہے ۔ حافظ کی تقریباً تمامتر شاعری ان لوگوں کی ریاکاریوں کا ایک نقش بدیع ہے ۔

اسلع الشعرا خواجہ عبید زاکانی فارسی ادب کا بے پناہ ہجو گو تسلیم کیا گیا ہے - ان کی ہجو و ہزل کی شان نزول بھی نہایت عجیب اور عبرت زا ہے - تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے -

" مفخر الفضلا خواجہ عبید زاکانی نسخہ در علم معانی تصنیف کردہ بنام شاہ سخن شاہ ابو اسحٰق میخواست تا آن نسخہ بعرض شاہ رساند گفتند کہ مسخرہ آمدہ است و شاہ باو مشغول است - عبید تعجب نمود کہ ہر گاہ تقرب سلطانی بمسخرگی میسر گردد وہزالاں مقبول و محبوب و علما و فضلا محجوب و منکوب باشند - چرا باید کہ کسی برنبج تکرار پردازد و بیہودہ دماغ لطیف را بدود چراغ مدرسہ کثیف سازد؟ بمجلس شاہ ابوالحق نارفتہ بازگشت "

عبید نے ہزالی اور مسخرگی کا عزم کرلیا تھا - دوستوں نے صلاح دی کہ یہ فعل ناروا اور غیر مستحسن ہوگا لیکن یہاں صرف یہ جواب تھا -

" مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

سلمان ساؤجی نے ایک قطعہ تصنیف کیا تھا جس میں ان کی ہجو کی تھی -

جہنمی ہجا گو عبید زاکانی
مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست زقزوین و روستا زاد است
ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

یہاں اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئیے کہ ظرفائے ایران کے نزدیک قزوینی احمق ، خراسانی خر ، طوسی گاؤ و بخاری گاؤ

تصور کئے جاتے ھیں عبید نے یہ قطعہ سنکر سلمان کی فکر میں بغداد کا رخ کیا ۔ وھاں پہونچے تو سنا کہ سلمان دجلہ کے کنارے علما و فضلا کی صحبت میں مشغول سیر و تفریح ھے ۔ یہ بھی کسی طرح باریاب ھوئے ۔ دجلہ پر سیلابی کیفیت تھی ؟ سلمان نے یہ مصرعہ پڑھا ۔

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ است

عبید نے برجستہ کہا ۔

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

سلمان نے خوش ھوکر دریافت کیا کہاں سے آنا ھوا ۔ کہا قزوین سے سلمان نے کہا سلمان کا نام قزوین میں مشہور ھے اس کے اشعار میں سے بھی کسی کو وھاں قبول عام نصیب ھے انھوں نے کہا یہ قطعہ بہت مقبول ھے ۔

من خرابا تیم و بادہ پرست

در خرابات مغاں عاشق و مست

میکشندم چو سبو دوش بہ دوش

می برندم چو قدح دست بہ دست

لیکن ساتھہ ھی ساتھہ یہ بھی کہدیا

"سلمان مرد فاضل است و می تواں ایں قطعہ را بوی نسبت داد ؟ اماظن غالب ؟ آن است کہ این قطعہ از زن او باشد" سلمان بد حواس ھوگیا اور سمجھہ گیا کہ کن بزرگ سے سابقہ پڑا ھے ۔ بڑی معزرت کی اور ان کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مولانا نے فرمایا ۔

اے سلمان بخت یا ورے کرد کہ زود باعتذار اقدام نمودی و از شّر زبانم رستی"

عبید نے مختلف مباحث پر طبع آزمائی کی ھے - ان میں سے ایک رسالہ اخلاق الاشراف ھے - یہ رسالہ ان تمام مذاھب اور معاصی کے خلاف ایک طنز ھے جن کی ایران میں گرم بازاری تھی - عبید نے مضامین رسالہ کے دو عنوان مقرر کئے تھے ایک "مذھب منسوخ" یعنی اسلاف اکابر نے اصول زندگی اور نظام اخلاق کا کیا حقیقی معیار رکھا تھا - دوسرا "مذھب مختار" یعنی اخلاف نے ان تمام اصول کو مسخ کرکے اب کونسا طریقہ اختیار کیا تھا طوالت کے اندیشہ سے یہاں کوئی اقتباس نہیں پیش کیا جاتا -

دوسرا رسالہ صد پند ھے تمہید میں فرماتے ھیں اس کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ھیں جن کو اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لئے منضبط کئے تھے ؟

مشتے نمونہ از خر وارے -

(۱) عیش امروز بفردا میفگنید ؟

(۲) زمان نا خوش را بحساب عمر مشمرید ؟

(۳) طعام و شراب تنہا مخورید کہ این شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد ؟

(۴) از دشنام گدایان وسیلئی زنان و زبان شاعران و مسخرگان مرنجید -

اس کے بعد رسالہ تعریفات ھے جس کا نمونہ حسب ذیل ھے -

(الدانشمند) آن کہ عقل معاش ندارد ؟

(الخسیس) مالدار ؟

(الناامراد) طالب علم ؟

(المدرس) بزرگ ایشان ؟

(دارالتعطیل) مدرسہ ؟

(القاضي) آں کہ همه او را نفرین کنند ؟

(الرشوة) کار ساز بیچارگاں ؟

(ملک الموت) ساقي باریش ؟

(ذوالقرنین) آں که دو زن دارد ؟

(المتواضع) مفلس ؟

ایک جگه قرض کا نوحه کیا هے ۔

مردم بعیش خوشدل ومن مبتلائے قرض
هر کس بکار و بارے ومن مبتلائے قرض

فرض خدا و قرض خلائق بگردنم
آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض

در شهر قرض دارم اندر محله قرض
در کوچه قرض دارم و اندر سرائے قرض

عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت
از بسکه خواستم ز در هر گدائے قرض

(خواجه علاء دنیا و دین) آنکه جز کفش
هرگز کسے نداد بگیتي سزائے قرض

کچهه رباعیات بهي هیں لیکن چند کے علاوه سب کي سب اس قابل هیں که ان کو کسي قسم کي تحریري یا زباني نقل و حرکت کي زحمت نه دیجائے ۔ عبید نے ایک طویل ترجیع بند بهي تصنیف کیا هے جس کي تفصیل کي یوں گنجائش نهیں هے که خود اس کا مخصوص عنوان اس قدر بے محابا اور بے لگام هے که اس کا تذکره نه کرنا هي افضل هے اس کے بعد کچهه تخمیسات اور قطعات هیں ۔ سب سے آخر میں رساله دلکشا هے ۔ ان میں

سے کسي کے متعلق تفصیلي بحث کي گنجائش نہیں ہے ۔ آخر میں فرماتے ہیں :-

گرچہ توحید و بیاں درکار است
قدرے ہم ہزیاں درکار است

اس سلسلہ میں ۔

مفخرالظرفا سراج‌الدین قمري قزویني ؛ املع‌الظرفا مولانا ابواسحق شیرازي ؛ مولانا برندق بخاري ؛ نادم جرجاني عباس نشاطی ؛ گنج ذوفنوني مولانا جلوتي اند خودي مفخرالفضلا و ظرفا خواجہ منصور قرابوغہ طوسي ؛ شہاب تر شیزي وغیرہ کا نام بھي آتا ہے ان میں ہر ایک مطائبات اور ہزلیات میں کمال رکھتا تھا لیکن ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا ھي بہتر ہے ۔

فارسي شاعری کے طنزئین کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا ۔ ہندوستاني فارسي شعرا میں نعمت خان عالي کا نام بھی اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ نعمت خان عالي کے یہاں طعن و طنز کے علاوہ جس میں ہجو ملیح کي بعض روشن مثالیں ملیں گی الفاظ کے الٹ پھیر ۔ اور ضلع جگت کا عنصر غالب نظر آئے گا ۔ ان کے مطائبات و مضحکات جہاں تک تشبیہ و استعارہ یا کسي علم و فن کے اظہار کا تعلق ہے خاص طور پر قابل اعتنا ہیں ۔

جہاں تک ایراني شاعري کا تعلق امرا یا سلاطین کے دربار اور اُن کي شخصي حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھي جاسکتي کہ یہ فضا طنزیات کے لئے موزوں نہ تھي ۔ اس کے اسباب ظاہر ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے ۔ لیکن جب سے ایران کي شخصی سلطنت معرض زوال میں آئي اور مشروطہ

کي پزیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بنگیا - ہے گوں میں آزادي فکر کا عنصر پیدا ہوا اور مختلف ھمسایہ قوتوں نے اپني اپني ریشہ دوانیوں سے ارض ایران کو ورطۂ کشا کش میں ڈالدیا ایران کي شاعري میں زندگي اور نمو کے آثار پیدا ہونے لگے - اس کا اثر خود قاآني کے کلام میں پیدا ھے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک ھجو و ھجا کا تعلق ھے قاآني کا کلام اس کے پیشروں کے مانند پست اور رکیک ھے -

اقوام کے طبائع میں جب کبھي تضاد و تصادم پیدا ھوا اور اُن میں بیداري کے آثار نمایاں ھوئے خیالات کا جمود اور قدامت دوستي یکلخت مفقود ھوگئي ھے - ایران کي موجودہ شاعري اسے کسر و انکسار کا نتیجہ ھے اور اس میں شک نہیں یہ بیداری ملک و ملت کے تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافہ کرتي ھے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لطافتیں ؟ وہ نازک خیالات اور حسّیات لطیف کي وہ مرقعہ کاري جو قدما اور متوسطین کا طرہ امتیاز تھا دور حاضر کي شاعري سے تقریباً ناپید ھے لیکن موجودہ شعر و شاعري میں زندگي کے آثار پائے جاتے ھیں اور اس میں شک نہیں قوم کي خوابیدہ حمیت کو بیدار کرنے کے لیے یہ ضروري ھے کہ شعرا کبھي کبھي فرسودہ راستوں کو اختیار کرنے سے اجتناب بھي کریں -

شیخ فضل اللہ مشہور استبدادي مجتہد کا جس کے باب میں کہا جاتا ھے کہ اُس نے قوم کي آزادي کو سب سے زیادہ دام لگانے والے کے ہاتھہ فروخت کر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ایک شاعر نے یوں خاکہ کھینچا ھے - بیان کیا جاتا ھے کہ یہ نظم ۱۲ جولائي ۱۹۱۹ع کو شائع ھوئي جس روز

کہ سپہدار کی کسان میں رضاکاران ملّی کا داخلہ طہران میں ہوا ہے -

حاجی بازار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج

میفروشم همه ایران را عرض و ناموس مسلمان را

رشت و قزوین و قم و کاشان را بخرید این وطن ارزان را

یزد خوانسار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج

طبل و شیپور علم را کے میخاد شیر و خورشید رقم را کے میخاد

تخت عجم را کے میخاد تاج کے؟ مسند جم را کے میخاد

اسپ و افسار هراج است هراج کو خریدار هراج است هراج

گویند مردمان اروپا که کذب و شید

با طینت اهالئے ایران سرشته اند

هستند اگر نفوس اروپا چو مورنارد

ایرانیاں به نسبت ایشاں فرشته اند

ملک الشعرا بہار مشہدی نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ہے -

سوئے لندن گذر اے پاک نسیم سحرے

سخنے از من بر گو به سر اڈورڈ گرے

کاے خرد مند وزیرے که نپرورده جہاں

چوں تو دستور خرد مند وزیرے هنرے

نقش پیطرز بفکر تو نقش بر آب

رائے بزمارک بهر رائے تو رائے سپرے

بر کشودے در صد ساله فرو بسته هند

بر رُخ روس و نتر سهدی ز در بدری

زهے آں خاطر دانائي رزیں تو زهے

فرے آں فکر توانائي متین تو فرے!

جرمني کے باب میں ایرانیوں کو غلط فهمي تهي که یه مسلمانوں کا دوست اور روس کا دشمن تها - لیکن ایران کے معاملات میں اس کي مداخلت بیجا نے سارا نقشه پلٹ دیا - اس ناخوانده مهماں کي پذیرائي یوں کي گئی هے -

مهمان تازه وارد ایراں خوش آمدي

بالائے چشم جائے تو الماں خوش آمدي

ایران بخوان ماند و بیگانگاں بضیف

ناخوانده مهماں سر ایں خواں خوش آمدي

از بهر صید مرغ دل عاشقان زار

در دست دام و دانه بداماں خوش آمدي

با دعوي حمایت اسلام و مسلمین

گشتي دخیل حوزهٔ دز داں خوش آمدي

لیکن چوں برده اند حریفاں هر انچه بود

ترسم شود نصیب تو حرماں خوش آمدي

رندانه با بهانه دارالفنون و بانک

نائل شدي بمقصد پنهاں خوش آمدي

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاه قاچار کے خلاف ایک هجو (غالباً) فردوسی کي نظم (هجو) پیش نظر رکهه کر لکهي تهي - یه کهنے کي ضرورت نهیں هے که یه نظم فردوسي کي نظم سے کهیں فرو تر هے -

اگر شاه را بود حِسّیے نهاں

مرا ساختي بے نیاز از جهاں

چو در خون او جوهر شرک بود
زتوحید اسلام خشمش فزود
مرا بیم دادي که در ارد بیل
تنم را بزنجیر بندي چو پیل
زکشتن نه ترسم که آزاده ام
زمادر همي مرگ را زاده ام

ایرني شاعري کا موجوده دور جس کے علمبرداروں میں اشرف مرزا اکبر علي دخو بهار مشهدي عارف قزوینی پور داؤد مرزاحسین کمال کا نام لیا جاسکتا ہے اور جن کے کلام کا جسته جسته نمونه پیش کیا گیا ہے متقدمین اور متوسطین کی کہنه شاهراه سے علیحده نظر آتے ہیں لیکن باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتھہ وابسته کیجاسکتي ہیں پروفسر براؤن انجہاني کا یه مقوله بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔

"یه نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متنوع نظر آتی ہیں اور گو ان میں سے بعض ایسي ہیں جو محمد علي کے عزل کے بعد اور اس کے صغیرالسن فرزند سلطان احمد کي تخت نشیني کے دوران میں لکھي گئي ہیں بحیثیت مجموعي یه قدیم طرز شاعري کي ترجمان ہیں اور اُن نظموں میں جو هجو اور هزل سے متعلق ہیں زبان کی وهي رکاکت پائي جاتي ہے جو قدیم هجویات و هزلیات میں نمایاں ہے"

ظنزیات اردو

ہمارا "جنت نشان" اگر انیسویں صدی کے آخری مراحل سے گذر کر بیسویں صدی کے متعدد کروٹیں نہ لے چکا ہوتا تو آج یہ کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا تھا کہ اُردو طنزیات میں (جعفر کی زٹلیات سے قطع نظر) سودا کے علاوہ کوئی اور ہستی نظر نہیں آتی - اُردو غالباً دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے نو عمر ہے ' بایںہمہ اُس نے اتنی کم مدت میں جتنے منازل ترقی طے کیے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل فخر بھی ' اُس کا ابتدائی دور ہندو مسلمان دونوں کے خلوص اور جانفشانی کا مرہون منت ہے - ایک معقول اور سنجیدہ ادب جن موضوعات پر مشتمل ہوتا یا ہو سکتا ہے ' وہ اُردو میں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کے ذریعے سے کافی حد تک منتقل ہو چکا ہے - اگر کسی کو اُس کے بے بہا یا عالمگیر امکانات ترقی کی طرف سے اندیشہ یا مایوسی ہے تو یہ اُردو کا نقص نہیں ہندستانی قومیت کا نقص یا محرومی ہے ' جس کا ماتم ہندو یا مسلمان کریں یا نہ کریں ہندوستان کو تو بہر حال ہے !

بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک طنزیات کا بحیثیت فن اور ادب کے تعلق ہے اودھ پنچ (لکھنؤ) کے دور سے قبل طنزیئین کی مثال صرف سودا کی ذات میں ملتی ہے - سودا کے عہد میں چند اور طنزی شعرا موجود تھے مثلاً میر ضاحک فدوی ' مکین اور بقا لیکن اُن کو کوئی مستقل حیثیت نصیب نہ تھی ' گھوم پھر کر نگاہیں صرف سودا یا پھر ان کے بعد کسی حد تک

انشا اور مصحفی پر پڑتی ھیں - انشا اور مصحفی کو مخصوص طور پر طنزیئین کے صف میں داخل کرنا موزوں بھی نہیں ھے - ھجو و ھجا ان کا مسلک شعری نہ تھا اور نہ اس حیثیت سے ان کو قبول عام نصیب ھوا - ان کی ھجو و ھجا صرف معاصرانہ چشمک کی حد تک تھی -

سودا کو اردو ھجو و ھجا میں نہ صرف فضل تقدم حاصل ھے بلکہ اُن کے کلام سے طنزیات کی بہترین صلاحیت و استعداد بھی نمایاں ھے ' لیکن جیسا کہیں عرض کیا گیا ھے بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ھے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک اور ذھن و فکر کی بے لوث برھمی یا شگفتگی کا نتیجہ ھو - اس معیار پر سودا کی ھجویں تمام و کمال پوری نہیں اترتیں تاھم اس خارستان میں بھی طنز و مضحکات کے ایسے نمونے ملتے ھیں جن سے اُن کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا ھمیں پوری طرح معترف ھوجانا پڑتا ھے -

سودا نے شعر و شاعری کی ھر صنف میں طبع آزمائی کی ھے لیکن ان کو جو خصوصیت ایک ھجو گو ھونے کی حیثیت سے حاصل ھے وہ سب پر فوق ھے اور یہی ان کا طغرائے امتیاز ھے ' مصنف آب حیات نے کہا ھے کہ اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا اور لوگ اس وجہ سے ان سے اس درجہ خائف رھتے تھے کہ کبھی کسی کو ان سے ٹکر لینے کی ھمت نہیں ھوئی - سودا کے ھم عصر اور ایک حد تک مد مقابل میر ضاحک ' فدوی مکین اور بقا تھے - ان سے برابر چشمک ھوتی رھی ' مرزا نے ایک نہایت طویل الذیل نظم " اُلو اور بندے " کی لکھی ھے جس میں فدوی کو دونوں کا مجموعہ بنایا ھے - فاخر اور سودا سے بھی چوٹیں ھوا کرتی تھیں جس کا سودا کو ایک بار بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا تھا -

مرزا نے مرثئے اور سلام بھي کہے ھیں؟ لیکن علامہ شبلي کي مانند (جہاں تک مرثیہ کا تعلق ھے) یہ اس وادي میں اجنبي تھے - سودا کا اس صنف کلام میں بے آھنگ ھونا فطري تھا - ایک حقیقي طنزي شاعر کي نظر معائب اور نقائص پر پڑتي ھے اور وہ اسی کو طشت از بام اور مجروح کرتا ھے - مراثي اور سلام کا عقائد سے تعلق ھے - عقیدت اور پرستاري کا طنزیات سے کیا رشتہ -

سودا نے ایک قصیدہ ''شہر آشوب'' لکھا ھے - مصنف آب حیات کا مقولہ ھے کہ اس میں ابنائے وطن کا مرثیہ کہا ھے ممکن ھے یہ صحیح ھو لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں یوں تامل ھوسکتا ھے کہ مرثیہ کا شمار تریجڈی (المیہ) میں ھوتا ھے حالانکہ سودا سر تا سر کومیڈي (بزمیہ) کے علم بردار ھیں - یاس اور حزن کا رنگ کہیں نمایاں نہیں ھے - سودا نے ھر جگہ کشادہ جبینی اور خندہ روئي کو دخل دیا ھے - راقم السطور کے نزدیک سودا کے کلام ''مرثیت'' سے قطعاً مبرا ھے؟ ان کے کلام کا بحیثیت مجموعي مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ھو جاتي ھے کہ ان کے ذھن اور فکر کو کسی ایسے مرحلہ سے شاذ و نادر ھي گذرنا پڑا ھے؟ جس کي فضا تاریک یا حزن آفرین رھي ھو -

مرزا کے قصیدہ ''شہر آشوب'' کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ھے -

گھوڑا لے اگر نوکري کرتے ھیں کسو کي
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ھے

گذرے ھے سدا یوں علف و دانہ کي خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کی یاں ھے

کہتا ھے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی بي نے تو کچھ کھایا ھے فاقہ سے میاں ھے

یہ سن کے دیا کچھہ تو ہوئي عید وگر نہ

شوال بھي پھر ماہ مبارک رمضان ھے

سوداگری کیجئے تو ھے اس میں یہ مشقت

دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان میں

قیمت جو چکاتے ھیں سو اس طرح کہ ثالث

سمجھے ھے فروشندہ پہ دزدي کا گمان ھے

شاعر جو سلے جاتے ھیں مستغني الاحوال

دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو بیاں ھے

گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ

نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ھے

تاریخ تولد کي رھے آٹھہ پہر فکر

گر رحم میں بیگم کے سلے نطفۂ خاں ھے

اور ما حضر اخوند کا اب میں کیا بتاؤں

یک کاسۂ دال عدس و جو کي دو ناں ھے

دن کو تو بیچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے

سب خرچ لکھے گھر کا اگر هندسہ داں ھے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے

ھر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ھے

وہ بیست ٹکے سیکڑے لکھنے کو ھے محتاج

خوبي میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ھے

هدیہ هو سوا پانچ ٹکے گدڑی میں آکر

یاقوت پکارے جو بکاؤ یہ قراں ھے

دمڑي کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ

بیٹھے هوئے واں میر علی چوک جہاں ھے

چاہے جو کوئي شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے هی وہ شعرا کے تو مطعون زماں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئي شعلہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑي کو تشبیہ گماں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ هر صبح کو اُٹھکر
ہے آج کدهر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق هوا عرس تو کر ڈاڑھي کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جولگی بجنے تو واں سب‌کو هوا وجد
کوئي کو دے کوئي روئے کوئي نعرہ زناں ہے
بے تال هوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر
سرگوشیوں میں پھر بد اسلوبي کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی هنس‌هنس
کہتے هیں کوئي حال ہے یہ رقص کناں ہے
اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا هوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی هو متوکل
جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
دنیا میں تو آسودگي رکھتي ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئي اس کا نشاں ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگي حرفیست نہ یاں ہے نہ وهاں ہے

هجو بھي ایک قسم کي واقعہ نگاري ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ شخصیت،

موقعہ ' یا زمانہ کی صحیح ترجمانی ہو ۔ سودا نے اپنے طویل قصیدہ "شہر آشوب" میں جن اشخاص ' مشاغل ' یا حالت پر اظہار خیال کیا ہے اور جس شاعرانہ بلاغت کے ساتھہ ان کے تمام جزئیات پر نظر ڈالی ہے اس کا ہر شخص قائل ہوگا ۔ یہاں قصیدے کی نقل طوالت سے خالی نہ تھی شائقین کو اس قصیدہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس لئے اور بھی ' کہ یہ خود آج کل کے واقعات اور حالات کا آئینہ ہے ۔

ایک جگہہ گھوڑے کی ہجو کی ہے وہ بھی قابل دید ہے (قصیدہ در ہجو اسپ المسمی بہ تضحیک روزگار) مثلاً '

ہے جب سے چرخ ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بھی قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھہ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپئے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیان
فاقوں کا اُسکے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار
دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کوئیں تاپیں مار مار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں وہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو .... ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہوویں نہ استوار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق یا سرنگ
خارشت سے ز بسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر ز بسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

سودا نے اپنے دوست سے یہ گھوڑا مستعار لینا چاہا تو اُنھوں فرمایا ۔

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ‌باردا
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شیخو خدمت کے درجے سے کر اس طرف گذار

دھلی پر مرھٹون کی تاخت ہوئی ہے اور یہ گھوڑے پر بیٹھ کر میدان کار زار کا رخ کر رہے ہیں -

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منھ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے توبڑہ اُسے دکھلائی تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبرون میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ تا ہووے یہ رواں
یا باد بان باندھو پون کے دو اختیار
کہتا تھا کوئی ہے بز کو ہی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
اس مخمصے میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے پھر دو چار
دھوبی کمہار کے گدھے اُس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
بد چشمی اُس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بیشمار
رکھتا تھا کوئی لا کے سپارے کو منھ کے بیچ
مو اس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھسے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
دوں گا تکے تجھے میں بھی نوچندی ایتوار

اس کوفت اور خفت سے بے اختیار ہو کر راکب نے مرکب کو بد دعا دی ہے —

دست دعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار
پہلے ہی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تیر کہ ہو وے جگر سے پار

مرہٹوں سے دو چار ہونے کے بعد کا حادثہ ۔

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار
جاتا تھا جب تڑپ کے میں اُس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے چوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

موجودہ دور میں مبالغہ نگاری کی جس قدر مذمت کی جاتی ہے، وہ ظاہر ہے اور ایک حد تک درست بھی ہے، لیکن متذکرۂ صدر ہجو میں کچھ ایسے پہلو پیدا ہو گئے ہیں کہ یہاں مبالغہ ہی اُس کا حسن بن گیا ہے ۔ جدت فکر نے غلو کو انتہا تک پہونچا دیا ہے، لیکن بجائے اُس کے کہ یہ گراں گذرے دل چاہتا ہے کہ کچھ اور ہو ۔ نرپت سنگھ کے ہاتھی کی بھی ہجو لکھی ہے ۔ اس میں شک نہیں زور بیان اور لطف کلام کا جو نمونہ ہجو اسپ میں نظر آتا ہے وہ اس میں ایک حد

تک بہت کم ہے ، لیکن یہ وہ صنف کلام ہے جس میں سودا کبھی پھیکے نہیں پڑے -

ہوئی آقا پر اُس کے تنگدستی   کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال   طناب سست سے خیمہ کا جوں حال
نمودار اس طرح ہر استخواں ہے   گویا ہر پسلی اس کی نردباں ہے
ضعیفی نے کی اُس کی فربہی گم   گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
کہا اُس کے مہاوت سے میں اکروز   اگر آقا کے اپنے ہے تو دلسوز
تو کہہ اُن سے کہ اس کو بیچ ڈالیں   عوض کاہش اُسکے چڑھنے کو گدھا لیں
دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم   خریداری تو اس کافر کی معلوم
جو ہاتھی ہو تو لے کوئی جان و نواب   ہے بےایمان کی مسجد کی محراب
جو بیٹھے یہ تو اُٹھنا ہے اسے دور   لگیں اسکو نہ جب تک راج و مزدور
ہے اتنا چلنے میں بجر یہ بدذات   نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ ہے اس مرتبہ بدی میں منحوس   سنیچر جس کے ہوتا ہے قدمبوس
جسے لا پیٹھ پر اُس کے بٹھایا   گویا باروت پر دھر کر اُڑایا

شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے ، مختصر اقتباس درج ذیل ہے -

گشت اُن کا جو پھرتا آتا ہے   یہی نرسنگیا بجاتا آتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصہ   صبح کو بھیجدیجئو حصہ
جو نظر باز اُس کا چترا ہے   خوب دیکھو تو جیب کترا ہے
کسو کا گٹھہ کٹی وتیرا ہے   کوئی بھڑوا اُٹھائی گیرا ہے
جس کے گھر بیچ اُس کا آقا جائے   صاحب خانہ پر یہ آفت آئے
تا خبر دار گھر کا ہو صاحب   چوکھٹے پان دان تک غائب
شام سے صبح تک یہی ہے شور   توڑیو کٹھڑی لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے   چور دروازے پر یہ ہنکارے

ہوگی کب تک بچا خبرداری — چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کرکے یہ بیداد — کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار — گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھسے اب بجاکر ڈھول — میری پگڑی کا میرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور — دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ غریب سے یہ خلل — ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا — ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی — چوری کرنے سے کون ہے خالی
چڑھکے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں — وقت پر میں بھی جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ — ہے خدا کے بھی گھر میں چورکی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے — ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

آخر میں تو کمال ہی کر دیا ہے ' فرماتے ہیں :-

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی — آپ کرتا ہے دزدئی معنی !

ایک مثنوی کسی دولت مند بخیل کی ہجو میں لکھی ہے - کہتے ہیں اُن کے دوست کسی بخیل دولت مند کے یہاں گئے - اتفاق سے بارش ہونے لگی ' میزبان نے پہلے تو پوچھا کوئی باراتی وغیرہ بھی ہمراہ ہے ' انہوں نے کہا بارش کا حال کس کو معلوم تھا ' میزبان نے کہا بارش میں سخت دقت ہوگی ' انہوں نے جواب دیا -

رکھے خالق سلامت آپ کی ذات — نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات

اب میزبان کی حالت دگر دگوں ہونے لگی ' نوبت بایں‌جا رسید کہ -

کہا اس نے کہ بھر کے آفتابا — محل کی جا ضرور میں رکھوا

اور چلتے چلتے مہمان کے کان میں کہہ گئے -

چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو — کہدو بلوا کے اب بکاول کو

اُنہوں نے بکاول سے فرمائش کی تو وہ -

بولا تیار تو نہیں ہے کچھہ — جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھہ
تو تو لاؤں ہوں آپ کی خاطر — ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

مہمان نے کہا اگر کچھہ تیار نہیں ہے تو مودی سے جنس لیکر کچھہ تیار کرلو ۔ اُس نے جواب دیا اُس کے پاس کیا رکھا ہے ۔ قصاب ' کونجڑہ ' سفرہ چین ' باورچی ' نان پز ' شاعر سب کا یہ حال ہے ۔

اور قصاب بھی جو آوے ہے — چھری بغدا مجھے دکھاوے ہے
جب میں کچھہ کونجڑے سے کہتا ہوں — لہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بکتا ہے مجھسے یوں دو بر دو — لیجو ترکاری کی جگہہ کدو
سفرہ چین دے ہمیشہ یوں گالی — منہہ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجھکو باورچی یوں ڈراتے ہیں — وہ تیری آش کیا پکاتے ہیں
نان پز کو جو دیکھوں بھر کے نظر — مجھسے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تکے مشرف کے گھر لگاؤں گا — اور پلیتھن ترا نکالوں گا
کوئی شاعر جو یوں گذرتا ہے — میری ہی ہجو وہ بھی کرتا ہے

دوسروں کا حال یہ ہے ۔

بسکہ مطبخ میں سردی رہتی ہے — ناک باورچیوں کی بہتی ہے
ان کے مطبخ سے دود اُٹھے اگر — سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
روز باورچی یوں کرے فریاد — کبھی تو کچھہ کرو ہمیں ارشاد
کیا تیرے بعد کر کے کھاویں گے — جب کسب اپنا بھول جاویں گے
کرے سو عید گنبد گردان — نہ تلے ان کے گھر سے پھر رمضان
الغرض مطبخ اس گھرانے کا — رشک ہے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور — اُن کی نا کے گھر کا تھا وہ تنور

میزبان کے ولی عہد نے اپنے کسی دوست کی ضیافت کی تھی اُس کا یہ حشر ہوا ۔

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق — اور ماں کو بھی اُس کے دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا — تب یہ جورو کے حق میں فرمایا
پتھر اُس کے عوض تو کیوں نہ جنی — کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی
یارو مجھ سے تو لا ولد بہتر — میرا بیٹا اور اس قدر ابتر
اُس کا دادا بھي گرچہ تھا عیاش — اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش
جو کوئي اُس کے گھر میں نوکر تھا — رات کو اس پہ یہ مقرر تھا
پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر — لاتا آقا کے آگے جھولي بھر
اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے — بُرے تنخواہ میں لگاتے تھے

میر ضاحک کي خبر لیتے ھیں –

کنکري چننے پر ھے اب گذران — معدہ اُس کا ھے مرغ کا سنگدان
سنگریزے تلک نہ اُس سے بچے — معدے میں اُس کے تو پہاڑ پچے
گھر میں اب جسکے دیگچہ کھڑکے — در پر اُسکے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اُٹھکر آئے — میت اُس کي اُٹھائے یا نہ اُٹھائے
آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود — اک ذرہ بھي گر کرے ھے نمود
لوگ تو دوڑے ھیں بجھانے کو — دوڑے یہ لے رکابي کھانے کو
اس لئے ھجو خلق کرتا ھے — گالیاں کھانے تک پہ مرتا ھے
جو اسے میہماں بلاوے ھے — آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ھے
یہي کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے — اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے
جب تلک کھانا آوے ھي آوے — اسي بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے — جیسے کوئي کسی کا گھر لوٹے

ایک دن اُن کے "ممدوح" کو کسي دوست نے کھانے پر مدعو کیا تھا، جلسے میں لوگ خوش گپیاں کر رھے تھے، اُن کا یہ حال تھا ـ

جاکے مبطبخ پہ یہ پڑا اس طرح — میں بیان اسکا اب کروں کس طرح
لاٹھیاں لے لے ھاتھ پیر و جواں — کرتے ھي رہ گئے سبھي ھاں ھاں

گوشت چاول مسالہ ترکاری سب سبھت اُس نے ایک ھي ماری
مطلق اُسلے نہ مانی ڈانت ڈپٹ رکھہ کے کلے میں کر گیا سب چٹ
جن ہے یا آدمي ہے یا کیا ہے یا کوئی دیو بوکھلایا ہے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھي پاٹھي سے کیا کرے لاٹھي اُس کي کاٹھي سے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا لاشے کي روٹي کو بھي یہ کھاوے گا
حکیم غوث کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ۔
مملکت ھند میں اب گھر بہ گھر ہے ملک الموت سے مشہور تر
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بد سرشت بھرتي نہ انسان سے دوزخ بہشت
مرتے ہیں اس سے ز بس اب مرد وزن کھاتے ہیں قرض اُس کے اوپر گور کن
حکیم صاحب کے مطب کا نقشہ بھي ملاحظہ ہو :—
جا کے وہ دیکھے جونہیں وحشت سرا دل یہ کہلے معني دارالشفا
چھتے ہي اک شخص کي دیکھي جونبض کہنے لگا تجھکو بشدت ہے قبض
کچھہ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود لکھدیا یہ کہہ کے سفوف پہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائے دوست ماش کي روٹي سے تو کھا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کتول واسطے ھیضہ کے لکھا اسپغول
لکھدیا مجنون کو شیر شتر کہدیا مستسقي کو جا فصد کر
کہنے لگا دیکھہ کے اک اور کو زخم کو دنبل کے کرانا رفو
ایک جگہہ " فدوي " کي ھجو کي ہے :—

ایک خراسان کیا گو کہ یہ مکہ کو جائیں
جیسے ھي ایدھر سے جائیں ویسے ھي اُدھر سے آئیں
پوچ زبان اُن کي سے شعر تو سرزد ہوا
کاتب بے چارہ مفت لعن کا مورد ہوا
شعر میں شاعر جو ہیں وہ تو تخلص کو لائیں
پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں

آخری شعر سے متعلق سودا نے ایک بقال کي نقل لکھي ھے - کوئي ''دیوال بند'' کسي بنئے کا مقروض تھا - ادائیگی قرض سے معذور ھو کر بالا خر اس نے ایک سبیل نکالي - دیوال بند نے ایک اُلو پھنسا کر اسي کلغي اور پیجني سے مزین کیا اور ھاتھہ پر رکھکر بازار سے گذرا - اتفاقاً بنئے کي نظر پڑگئي' اُس نے پوچھا کیا ھے' انہوں نے جواب دیا باز ھے -

پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ جیلوے ھے کیا

ان نے کہا دودہ بھات کچھہ نہ اس کے سوا

مزید تعریف سن کر بنئے نے مول بھاؤ کیا اور رات میں اپني بیوی ''پربھاوتي'' سے یوں گویا ھوا -

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت

سنتی ھے پربھاوتي اس میں ھے کیا تیري مت

پیسے میرے کرج ھیں ایک سپاھي کے پاس

اس سے نکد ملنے کي اب نہیں مجھکو ھے آس

باج بڑا ھی سا ایک دیکھا میں اسکے کنے

اس کو کھریدوں میں اب کال گو جو وہ بنے

بولی بنیني یہ سن ادت تجھے کھیر ھے

اسکي رسوئي ھے ماس اس سے ھمیں بیر ھے

سنکے کہا بنئے نے کے کہي تونے یہ بات

ناہ رے پربھاوتی رام کیسوں دودہ بھات

غرض کہ پربھاوتي نے بھي رضا دیدي - ساھو جي ''داب بغل میں بھي کان پر رکھہ کر قلم'' مرجا جی کے یہاں پہونچے' قرض کا تقاضا کیا' مقروض نے لیت و لعل شروع کي بنئے نے باج کے عوض بھر پائي لکھدینے کی شرط پیش کی جو ایک مختصر قیل و قال کے بعد منظور کرلیگئي - یہ اُلو گھر لائے' پربھاوتي نے کہا'

دیکھ کے اُن نے کہا اوت تجھے ہے ملوم

یہ تو جناور ہے وہ ترک کہیں جسکو بوم

آخر میں ساھو جی ''سر اور توند'' کو پیٹ کر بیٹھ رہے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی اور اُلو پھنسے اسے ''کھونٹی پہ'' باندھ دیا اور جو کوئی جنس وغیرہ کے متعلق کچھ دریافت کرتا یہ بالتزام کہتے :-

سب ہے دیا رام کی یہ بھی ہے اُلو بھی ہے

اس مصرعہ کو مرزا نے ''فدوی'' پر چسپاں کیا ہے ؟ یعنے تخلص کے ساتھ نام جتانے کی مثال بنئے کی ہے -

ایک دوسرے مقام پر کسی (نام نہاد) درویش نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا ہے - اس کا قصہ سودا کی زبان سے سنئے :-

بجز تسبیح رہتے تھے وہ بے کل — مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل

مریدوں کی ہوئیں پر نور عینین — کیا جب اُن کے سرمہ خاک نعلین

بلا شک اس کا جنت میں ہو ماوا — اتھاوے جو انہوں کا آفتابا

جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک — لگے تھے ناسپاتی سیب اور تاک

سوار اپنے ہوئے مرکب پہ یہ جب — مرید اُن کے ہوئے گرد آن کے سب

اُٹھا ہر اک کے عہدہ کو ہوا ساتھ — عصا کوئی کوئی لے مورچھل ساتھ

کوئی لے پیکدان اور کوئی رومال — کوئی حضرت کے آگے کوئی دنبال

مصلا کوئی سر پر رکھ کے اُسدم — چلا صلوات پڑھتا شاد و خرم

سودا بھی ہمراہ ہیں؟ راستہ میں رہزنوں نے قافلہ لوٹ لیا -

کروں کیا آگے اب غارت کی تصریح — نہ تھے جز دانہ ہائے اشک تسبیح

نہ زاد راہ پاس اُن کے نہ مرکب — اب ان سے عزم کعبہ کا بندھے کب

توکل پر چلیں کعبہ یہ کیا ذکر — انہیں اسباب کی اپنی پڑی فکر

کبھی عمامہ کے جانے کا مذکور — کبھو تھا فکر پیراھن سے دل چور

سلیمانی کی گھہ یاد آتی تسبیح — ہوئی جاتی تھی جسکے غم سے تشریح

کبھو کہتے مصلا تھا چکن کا | کہ جس پر تھا چکن کار دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا | بڑے حضرت کے میرے ھاتھہ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا | سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیق سُرخ کا جو ناسداں تھا | اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا

آخر کار سودا سے مشورہ کیا گیا، انھوں نے کہا :---

چلو گے گھر کو تم اپنے کس اسلوب | ھے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب
کہا حضرت نے سنکر تم ھو گمراہ | نہیں مسئلے مسائل سے کچھہ آگاہ
حرم کا فرض ھے مقدور پر طوف | گیا یاں مال آگے جان کا خوف
مرید از بس تھے گھر چلنے پہ مائل | کہا سودا سے باھم ھوکے یکدل
سخن حضرت ھمارے کا ھے معقول | یہیں سے حج انھوں کا ھوگا مقبول
ھوئے تھے صبح جس منزل سے راھي | پھر آئے شام واں ھو کر تباھي

غرض کہ سودا کے کلام میں طعن یا ظرافت کا رنگ کسي نہ کسی حد تک ھر جگہہ نمایاں ھے - بعض قصائد میں تو ساری تشبیب اسي پر مشتمل ھے - ایک قصیدہ نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں بہادر کي مدح میں ھے، مطلع کتنا شوخ اور شگفتہ ھے اور کس درجہ سودا کے رنگ میں ڈوبا ھوا ھے -

صباح عید ھے اور یہ سخن ھے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح، روزہ حرام

بعض اوقات ردیف اور قافیہ بھی اُن کي مشکل پسندي اور ظریفانہ جدت طرازی کا آئینہ ھوتا ھے - ایک قصیدہ کا قافیہ اور ردیف سنگ رنگ ڈھنگ، تنگ رنگ ڈھنگ، ڈھنگ رنگ ڈھنگ ھے - اِسي ردیف اور قافیہ میں ایک غزل بھی ھے - دوسرے قصیدہ میں لوٹنت پوٹنت، گھونٹنت، اکڑنت، بھڑکنت، بھسمنت، قافیے ھیں -

حضرت امام ثامن علی رضا صلوات اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ

لکھا ہے، جس میں فاخر، مکین اور ان کے اُستاد پر کنایتہً طعن کیا ہے :-

پکڑی جو لٹورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھسا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
مصرعہ میں اگر پشہ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر
اُستاد کی ان کے ہے انہوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اُسکی ہو تذکیر

اس طعن و طنز کے بعد یوں گریز کی ہے ـ

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
ناقہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر
کر اس کی عوض مدح شہ ہر دوجہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

مصحفی کا ایک شعر تھا ـ

شانہ پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعوی وحی و پیمبری

سودا نے اس شعر پر ہجو میں ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ہے ۔

یہ بات جو واہی تو بکا بند کر آنکھیں
اس حرف سے کیا پائے تری شاعری توقیر
تخفیفیں یہ تجھپر ہے نہیں شانہ پہ جسکے
ہو مہر نبوت کرے دعوی بہ مواہیر
گر عمر طبیعی کو بھی پہونچے تو یقین ہے
پہونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیوان
نفرین خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر

کہیں مصحفی نے کہدیا تھا کہ سودا کی صرف اُردو (زبان) صاف ہے ورنہ مضمون کا کہیں گذر نہیں اس کا (انوری ہند) سودا نے جواب دیا ہے ۔

کیا سہل سمجھتا ہے تو اُس صاف زبان کو
گر سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ ہو یک لفظ زبان سے ترے جاری
پیدا کرے ہرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
ہر ایک کو حصہ ہے دیا اُس کے مناسب
قسام نے قسمت کی جو تقسیم کی جاگیر
جس جس کسی کا حوصلہ ظرف تھا جتنا
اُتنا ہی اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر
تجھکو دئے یکسر خزف اس کو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجھکو گل قیر

سودا کے بعد انشا اور مصحفی کا نمبر آتا ہے ۔

اُردو طنزیات کی خوش نصیبی سمجھئے یا بدنصیبی ، اس کا عروج لکھنئو میں ہوا - دہلی پر خزاں طاری تھی ، اور لکھنئو گہوارہ بہار - دہلی کے نوحہ خواں اگر لکھنئو میں زمزمہ سنج نظر آئیں تو محل تعجب نہیں دلی والوں کا ٹھکانا اُس وقت لکھنئو تھا - سودا ، انشا ، مصحفی ، میر ، سب نے "پورب کے ساکنوں" کی پناہ پکڑی دلی کے بجائے لکھنئو کے کوچے "اوراق مصور" نظر آنے لگے -

انشا اور مصحفی کی چشمکوں سے اُردو کا ایک معمولی طالب علم بھی واقف ہے اس لئے اُن کا تذکرہ غیر ضروری ہے تاہم، ان کے کلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے مصنف آب حیات کے ان فقروں کو ملحوظ رکھنا چاہئے -

"شہرستان تجارب کے سیر کرنے والے جانتے ہیں کہ جب رواج عام کا راجہ ہولی کھیلتا ہے تو بڑے بڑے معقول وضع دار اشخاص اس کی چھینٹیں فخر سمجھکر سر و دستار پر لیتے ہیں - پس وہ (سید انشا) اور اُن کے معاصر ملک چھوڑ کر کہاں نکل جاتے - یہیں رہنا تھا اور اُنہیں لوگوں میں رہ کر گذران کرنی تھی - "

ایک جگہہ اور فرماتے ہیں -

"وقت حاکم جابر ہے اور پسند عام اُس کا واضع قانون ہے - اُس وقت شاہ و امرا سے لے کر گدا اور غربا تک انہیں باتوں سے خوش ہوتے تھے اور قدر دانی یہ کہ ادنی ادنی نظموں پر وہ کچھہ دیتے تھے جو آج کل کے مصنفوں کو کتابوں پر نصیب نہیں ہوتا - سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے - پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینکدیتے - ہنگامہ ہستی کے جواں مرد اسے بھی ایک قسم کا کمال سمجھتے ہیں کہ کسی رستہ میں درماندہ نہ رہیں - "

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے -

ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفی میں شکر رنجی ہوگئی

اور طبیعتوں کي شوخي نے زبانوں کي بے باکي کے ساتھہ ملکر بڑے بڑے معرکے کئے ۔ اس وقت آصف الدولہ شکار میں تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزاروں افسوس کئے اور بڑے اشتیاق سے ان ھجوؤں کو منگا کر سنا اور اِنعام بھیجے ۔ في الحقیقت ایک ایک مصرعہ ان کا؟ ھنسي اور قہقہوں کا منتر ھے ۔ لیکن آج اگر انھیں کوئي لکھہ بھي دے تو عدالت یا انصاف میں مجرم ہو کر جواب دھی کرني پڑتی ھے "۔

سودا؟ مصحفي اور انشا کی طنزیات؟ دربار اودہ میں عروج کو پہونچ چکي تھیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھئے؟ بقول مصنف آب حیات :۔

"مرزا رفیع کي ھجویں ان کي کلیات میں موجود ھیں مگر شیخ مصحفي؟ سید انشا کي ھجویں فقط چند بڈھوں کي زبانوں پر رہ گئي ھیں ۔ جن کي نظمِ حیات؟ عنقریب نثر ھوا چاھتي ھیں ۔"

اس کي وجہ اس کے سوا کیا ھو سکتی ھے کہ صرف سودا ھی کا کلام ایسا تھا جو سال و سنین کا بار اُتھا سکتا تھا ۔ دوسروں کي ھجویں صرف وقت کي چیزیں تھیں اور اسی وقت گِھس پس گئیں ۔

شیخ مصحفي؟ مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے ۔ سید انشا لکھنؤ آئے تو اُنھیں کا دور دورہ ھوا ۔ شیخ اور سید کے آیندہ معرکوں کی بنیاد یہي تھي ۔اکثر غزلوں میں دونوں با کمال؟ دادِ سخن دیتے تھے اور موقع موقع سے ایک دوسرے پر چوٹ بھي کر جاتے تھے ۔ شیخ مصحفي نے ایک جلسہ میں غزل پڑھي جس کا مطلع یہ تھا ۔

تھا مصحفي یہ مائلِ گریہ کہ پس از مرگ
تھي اُس کی؟ دھري چشم پہ تابوت میں؟ انگلي

اسي طرح ميں سيد انشا کا ايک شعر تھا ۔

دیکھہ اس کي پڑي خاتم یاقوت میں انگلي

ھاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلي

جلسہ ختم ھونے کے بعد بے فکروں نے ان غزلوں میں خوب خوب جدّت طرازیاں کیں ۔ ایک شعر خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ھے ۔

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ

رکھے ھوئے تھا آنکھہ پہ تابوت میں انگلي

یہ گویا طرفین میں ،،فساد،، کا آغاز تھا ۔ مصحفی کو اس کی خبر ملی تو اُنھوں نے ایک فخریہ غزل تصنیف کي ، جس کے چند اشعار درج ذیل ھیں ۔

اک طرفہ خر سے کام پڑا ھے مجھے کہ ھائے

سمجھے ھے آپ کو وہ مسیحائے شاعري

اے مصحفی ز گوشۂ خلوت بروں خرام

خالي است از برائے تو خود جائے شاعری

ھر سفلہ را زبان و بیانِ تو کے رسد

آرے توئی فغاني و بابائے شاعري

انشا نے اُس کے جواب میں ھجو کی ایک بحر طویل کھہ ڈالي ۔ جس کا اقتباس یہاں کچھہ ضروري نہیں معلوم ھوتا ۔ اسي زمانہ میں ایک مشاعرہ ھوا ۔ مصحفي نے بھي کچھہ اشعار لکھے ، طرح حور کي گردن ، مخمور کي گردن ، رنجور کي گردن تھي ۔ سید انشا نے چند اعتراضات کئے ، ساتھہ ھي ایک قطعہ ، ھجو میں بھی پیش کر دیا ۔ کہتے ھیں ،، مصحفي مسّي ملا کرتے تھے اس لئے دانت سیاہ تھے ، وہ بھي کچھہ ھلتے تھے ، کچھہ گر پڑے تھے اور بڑھاپے نے اور شکل بگاڑ دي تھي ،، انشا کي نظم کے چند اشعار حسب ذیل ھیں ۔

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ؟ غزل کو بنائیے
ایسے نجس؟ کثیف؟ قوافي سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندي جمائیے
سرکار کي یہاں نہیں گلنے کي دال کچھہ
روٹي جو کھاني ہوئے تو پنجاب جائیے
خشکا گدھوں کو دیجئے لوزینہ گاؤ کو
واں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

مصحفي نے بھي اس کا جواب دیا - فیصلہ مصنف آب حیات کي زبان سے سنئے -

"بے شک عام لطف بیان اور خاص طنزوں کے نشتر؟ سید انشا کي ترجیح کے لئے سفارش کریں گے......"

مصحفي کا آفتابِ عمر و دولت؟ لبِ بام تھا - لیکن اُستاد کي رفاقت میں شاگردوں نے عَلم جنگ بلند کیا - ان میں ایک شاگرد؟ گرم تخلص کرتے تھے اور دوسرے منتظر؟ سید انشا نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا -

آئینہ کي گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سرِ خرس کا؟ منہہ خوک کا؟ لنگور کی گردن

منتظر نے بھي غزل میں انشا پر چوٹ کی؟ ایک مصرعہ تھا -

باندھے دمِ لنگور میں لنگور کي گردن

یہ اشارہ تھا انشا کے ایک مخصوص طرزِ لباس آرائی کي طرف - سید انشا اکثر ڈوپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے رہتا تھا - سید انشا نے ایک دوسرا شعر برجستہ کہا -

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو
سر لون کا؟ منہہ پیاز کا؟ امچور کي گردن

یہ کشا کش طوالت پکڑتی گئی ۔ سید انشا اور مصحفی دونوں اپنے اپنے بوتے اور بساط کے مطابق، فحاشی اور مغلظات پر اُتر آئے۔نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر اور گرم نے شہدوں اور لچوں کو اُکسایا ۔ سید انشا کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے یہ پورا لشکر روانہ ہوا۔ سید نے کمال فرزانگی سے اِس آفت ناگہانی کو رفت گذشت کر دیا ۔ لیکن اُس کے بعد انشا نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ۔ مصنف آب حیات نے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

"لیکن پھر سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت کا تھا، یعنے ایک انبوہ کثیر، برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں، کچھہ ڈنڈوں پر پڑھتے جاتے تھے، کچھہ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھہ میں گڈا ایک میں گڑیا، دونوں کو لڑاتے تھے، زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن

لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن"

انشا اور مصحفی کی ہنگامہ آرائیوں پر آزاد کا قول فیصل یہ ہے :۔

"سید انشا کی طبیعت کی شوخی اور زبان کی بیباکی، محتاج بیان نہیں ۔ بہت سی رذیل اور فحش ہجویں لکھیں کہ جن کا ایک ایک مصرعہ، ہزار تسمچی اور چابک کا طراقا تھا۔ بڈھا بیچارہ بھی اپنی شیخی کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہوکر جتنا کمر میں بوتا تھا مقابلہ کرتا رہا ۔"

سید انشا کے بارہ میں مولوی عبدالباری صاحب، آسی نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرۂ خندۂ گل" میں فرمایا ہے ۔

"...... وہ خلقۃً نہایت ظریف، ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے ۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر یا نوابی دربار کی

مصاحبت کی وجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی - مگر میں اس کے خلاف ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے - اب دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت ' جا اور بے جا' سب جگھہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ انشا ' ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ ظرافت ہی کہئے' تب بھی اُن کا علم و فضل اُتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے - اُن کی ظرافت کے اقسام گنانا ' ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے - جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے کوئی کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ہے - پھر بھی ریختی کو اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے - "

طنزیات کے ذیل میں اگر ریختی کو بھی داخل کر لیا جائے تو اس سلسلے میں رنگین ' انشا اور جان صاحب خصوصیت کے ساتھہ مشہور ہیں - ان کے کلام (ریختی) کا جستہ جستہ اقتباس (از تذکرۂ خندۂ گل مدولۂ صدر) نذر ناظرین ہے -

---

میرزا سعادت یار خاں' رنگین :-

کروں میں کہاں تک مدارات روز
تمہیں چاهئے ہے وهی بات روز

گئے هیں مرے گھر میں سب تجھہ کو تاڑ
کیا کر نہ رنگیں ' اشارات روز

مجھہ کو اُس بات کا نہیں هوکا
بلدی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

گر کہے گی مجھسے کچھہ منہہ پھوڑ کر باجی تو پھر
تھنڈی کردالونگی میں ہاتھونکی ساری چوڑیاں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو
چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو
یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھہ دکھہ ہی نہ تھا
ہاتھہ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
بولے وہ آؤگے کب میں نے تب ان سے یہ کہا
بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی

ہر مہینے میں کوہاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے تل گئے معمول کے دن

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی
اتنا اتراتی ہے جوبن پر ددا کس واسطے
ریختی کہلی اجی رنگیں کی یہہ ایجاد ہے
منہہ چڑاتا ہے موا انشاء جیا کس واسطے

سید انشا اللہ خاں ؔ انشا ـ

مجھہ سے نہ اڑ ؔ زناخی تو رات کو کہیں تھی
چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی مَلی دلی کا

ہاتھوں سے تھری میں تو کمبخت عاجز آئی
جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

تھام تھام اپنے کو رکھتی میں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا میرا اندر والا

کچھہ تجھے شرم بھی ہے بیٹھہ پرے او کمبخت
تاڑ جاوینگے بڑے لوگ ارے او کمبخت

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج
اے ددا جان وہ کمبخت برا کام ہو نوج
مردوا مجھسے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دن دہاڑا ہی رہے ؟ جی تو بچے اے انشا
کلموہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص
اجی دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص

پھر جو کچھہ بول اٹھوں میں تو یہ طعنے دوگے
قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

میر علی یار جان (جان صاحب)

وہ تھے اُستاد، اُن سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا

چھپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

مردوے کھاتی ہوں میں تھسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی ہوں میں جو اکبار کہیں
جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تم
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

نہ دیکھہ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اُتھا اُتھا کر
نئي نویلي دلھن ھے بچي ابھی تو دو چار دن حیا کر

نامرد ھے ؟ نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے ؟ بوا سال بھر ہوا

مجھے نفرت ھے صورت سے نگوڑے جان صاحب کي
وہ اسکي شکل کیا ھے اے بوا قربان کي صورت

نہ جاؤ تم؟ پڑو چولھے میں؟ بھیجو میرے بھائي کو
لگے ھیں درد؟ مرتي ھوں؟ بلا لائے وہ دائي کو

باموهن یہ مجھسے کہتا ھے پوتھي بچار کے
پھندے میں تم پھنسوگی بس اب تین چار کے

اُس کے بعد غالب کے "باغ و بہار" رقعات سامنے آتے ہیں - جہاں تک نثر اُردو کا تعلق ہے برجستہ اور بے تکلف ظرافت کے اولین نمونے ہم کو غالب کے رقعات میں ملتے ہیں - طنز اور ظرافت کی داغ بیل ؛ سب سے پہلے اُردو نثر میں غالب نے ڈالی اور یہ پیش خیمہ تھا "اودھ پنچ" کی زعفران زار نظم و نثر کا ؛ جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں آئے گا -

رقعات غالب ---

"پیر و مرشد ! ۱۲ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آ کر خط دیا؛ میں نے کھولا؛ پڑھا ؛ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا - اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا؛ میرا نقصان ہوتا........ پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ہوا ؛ پہلا باغیوں کا لشکر ؛ اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا - دوسرا لشکر خاکیوں کا ؛ اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین ؛ آثار ہستی سراسر لٹ گئے - تیسرا لشکر کال کا ؛ اس میں ہزارہا آدمی بھوکے مرے - چوتھا لشکر ہیضے کا ؛ اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے - پانچواں لشکر تپ کا ؛ اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی -"

مرزا علاءالدین خاں کے نام -

"سنو عالم دو ہیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل...... ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم ؛ عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں - لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں - چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری کو مجھ کو روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا - ۱۳ برس حوالات میں رہا - ۱۷ رجب

۱۲۳۵ هجري کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ؟ ایک بیڑي میرے پاؤں میں ڈال دي اور دلي شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا - نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا - برسوں کے بعد میں جیل خانہ میں سے بھاگا ؟ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسي محبس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدي گریز پا ہے ؟ دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں ؟ پاؤں بیڑیوں سے فگار ؟ ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار ؟ مشقت مقرري اور مشکل ہوگئي - طاقت ؟ یکقلم زائل ہوگئي - بیحیا ہوں سال گذشتہ بیڑي کو زاویہ زندان میں چھوڑ ؟ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا........کہ پھر پکڑ آیا - اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا - بھاگوں کیا ؟ بھاگنے کي طاقت بھي تو نہ رہي - حکم رہائي دیکھئے کب صادر ہو - ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسي ماہ ذالحجہ ۱۲۷۷ هجري میں چھوٹ جاؤں' بہر تقدیر بعد رہائي کے تو آدمي سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا - میں بھي بعد نجات ؟ سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا - ››

‹‹ میاں ! کس حال میں ہو ' کس خیال میں ہو - کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے - یہاں ان کي سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوئے - ساس اور سالیوں نے اور بي‌بي نے آنسوؤں کے دریا بہا دئے - خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتي ہیں - سالیاں کھڑي ہوئي دعائیں دیتي ہیں - بي بي مانند صورتِ دیوار چپ - جي چاہتا ہے چیخنے کو مگر ناچار چپ - وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران ' نہ جان نہ پہچان ورنہ ہمسایہ میں قیامت برپا ہوجاتي - ہرایک نیکبخت اپنے گھر سے دوڑي آئي - امام ضامن علیہ السلام کا روپیہ بازو پر باندھا - ۵ روپیے خرچ راہ دئے مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب

اپنے جد کی نیاز کا روپیہ ، راہ ہی میں اپنے بازو سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپیے ظاہر کریں گے - اب سچ جھوٹ تم پرکھل جائے گا۔۔۔"۔

"سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکلا ہے، بعد القاب کے شکوہ شروع کردینا۔ حضرت کا پتہ نہیں - ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیاسو پہلے تو مجملاً سنو ؟ ایک غدر کا لوں کا ، ایک ہنگامہ گوروں کا ؟ ایک فتنہ انہدام مکانات کا ، ایک آفت وبا کی ، ایک مصیبت کال کی - اب یہ برسات ، جمیع حالات کی جامع ہے - آج اکیسواں دن ہے، آفتاب اسطرح نظر آجاتا ہے جسطرح بجلی چمک جاتی ہے - رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُنکو جگنو سمجھ لیتے ہیں مبالغہ نہ سمجھنا ، ہزارہا مکان گر گئے ، سیکڑوں آدمی ، جا بجا دب کر مرگئے - گلی گلی ندی بہہ رہی ہے - قصہ مختصر وہ اَنّ کال تھا کہ میلہ نہ برسا ، اناج نہ پیدا ہوا - یہ پن کال ہے، پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"۔۔۔سنو صاحب! شعرا میں فردوسی، اور فقرا میں حسن بصری، اور عشاق میں مجنوں، یہ تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں - شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے - فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے - عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو - لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی، تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری - بھئی! مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اُسکو مار رکھتے ہیں - میں بھی مغل بچہ ہوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی ۔۔۔۔"

"مرزا صاحب! ہم کو یہہ باتیں پسند نہیں ۶۵ برس کی عمر ہے -

پچاس برس عالمِ رنگ و بو کي سیر کي ھے - ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی ھے کہ ھم کو زھد و ورع منظور نہیں، ھم مانع فسق و فجور نہیں - پیو کھاؤ مزے اُڑاؤ - مگر یہہ یاد رھے کہ مصري کي مکھي بنو ؟ شہد کي نہ بنو - میرا اِس نصیحت پر عمل رھا ھے کسي کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے - کیسی اشک فشاني ؟ کہاں کي مرثیہ خواني ؟ آزادي کا شکر بجا لاؤ - غم نہ کھاؤ اور اگر ایسے ھي اپني گرفتاري سے خوش، ھو تو چنا جان نہ سھي منا جان سھي-میں جب بہشت کا تصور کرتا ھوں اور سوچتا ھوں کہ اگر مغفرت ھو گئي - ایک قصر ملا اور ایک حور ملي-اقامت جاوداني ھے اور اِسي ایک نیک بخت کے ساتھہ زندگاني ھے-اِس تصور سے جي گھبراتا ھے اور کلیجہ منہ کو آتا ھے - ھے ھے وہ حور اجیرن ھوجائیگی-وھي زمردیں کاخ اور وھي طوبیٰ ' کی ایک شاخ ' چشم بدور وھي ایک حور ' بھائي ھوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

" وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جي پر کیا گزري بقول شیخ علي حزیں

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں + شرمندگي از خرقہ پشمینہ ندارم

جب داڑھي مونچھہ میں سفید بال آگئے تیسرے دن چیونٹي کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے - اس سے بڑھکر یہ ھوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسي بھي چھوڑ دی اور داڑھي بھي - مگر یہ اور کہئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردي ھے عام ' ملا ' حافظ ' بساطي ' نیچہ بند ' دھوبي ' سقہ ' بھٹیارہ ' جولاھہ ' کنجڑہ منھہ پر ڈاڑھي سر پر بال - فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھي اسي دن سر منڈایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اودھ پنچ (لکھنئو) نے سنہ ۱۸۹۷ع میں "زبان اور ظرافت کے چہرہ سے نقاب اُٹھائی" اودھ پنچ کے آردوں میں سے منشی سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھہ سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھہ ھجر، نواب سید محمد آزاد، مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی شوق، سید اکبر حسین، مولوی احمد علی کسمنڈوی کا نام خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ھے اس میں شک نہیں کہ پنچ، ظرافت کا علمبردار تھا اور ظرافت کے اس بے پناہ آلہ نے زندگی کے کسی شعبہ کو اپنے وار سے محفوظ نہ رکھا ۔ اُردو ادب میں اودھ پنچ، اپنے قسم کا اولین پرچہ تھا اور اکثر حیثیت سے وہ ظرافت و طنزیات کے رائج الوقت معیار کا بہترین ترجمان تھا، اس سلسلے میں بے موقع نہ ہوگا اگر پنڈت برج نرائن، چکبست آنجہانی کے وہ خیالات بھی ھدیۂ ناظرین کئے جائیں جو گُلدستۂ پنچ میں شایع ھوئے ھیں ۔ فرماتے ھیں :-

اودھ پنچ لکھنئو کا عہد

"قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ھے اس کو دیکھتے ہوئے ھم اودھ پنچ کی ظرافت کو بحیثیت مجموعی اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے ۔ لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ھے ۔ اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ھے تو اُردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاھئے .... اودھ پنچ کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ھے ۔ اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتی ھیں جیسے کمان سے تیر .... جو مظلوم ان تیروں کا نشانہ ھوتا ھے روتا ھے اور دیکھنے والے اس کی بیکسی پر روتے ھیں - ان کے فقرے دل میں ھلکی سی چٹکی نہیں لیتے ھیں بلکہ نشتر کی طرح تیر جاتے ھیں ۔ ان کا ھنسنا، غالب کی زیر لب مسکراھٹ
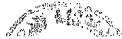
سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں - ؟؟

یہ سب صحیح، لیکن اُس عہد کو مد نظر رکھئے جب اودھ پنچ، عالم وجود میں آیا ؟ اُردو کس رنگ میں تھی؟ اُردو لکھنے والے کس رنگ کے تھے؟ وہ فضا کیا تھی، سوسائٹی کا کیا رنگ تھا، پنچ پھر پنچ تھا اسپکٹیٹر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، بایں ہمہ پنچ کے علمبرداروں میں ہر قسم کے لوگ تھے- وہ لوگ بھی تھے جو خود قہقہہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کو ایک طرف مسکرانے میں بھی تامل ہوتا تھا لیکن دوسری طرف سننے اور دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے ان واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے، جن کے ماتحت اودھ پنچ عالم وجود میں آیا ، یہ حکم لگانا یقیناً قرین انصاف ہے کہ اودھ پنچ نے بحیثیت مجموعی اچھی اور ہر قسم کی طنز اور ظرافت کا نمونہ پیش کیا - قہقہہ لگانا ، یا محض تبسم زیر لبی پر اکتفا کرنا ؟ یا ایسا کرنے پر مجبور ہونا ؟ ظرافت یا طنز کی نوعیت پر اتنا منحصر نہیں ہے ، جتنا یہ چیزیں خود پڑھنے یا سننے والے کے ذوق اور ظرافت طبع پر منحصر ہیں- ایک پر لطف یا معنی خیز فقرہ پر بد مذاق ایسے بے ہنگام قہقہے لگا سکتا ہے جس سے بقیہ لطف اندوز ہونے والے، ہمیشہ کے لئے ہنسنے بولنے سے تائب ہو جائیں دوسری طرف ایک صاحب ذوق اس طور پر مزے لے سکتا ہے کہ کسی کوکانوں کان خبر نہ ہو - اکبر اور آزاد کے ادبی کارنامے، اس نظریہ کی بطریق احسن ترجمانی کرتے ہیں-آزاد پھر بھی کبھی کبھی کھل کھیلتے تھے لیکن اکبر کے قدم کو کہیں ایسی لغزش نہیں ہوئی اورہوئی بھی ، تو وہ جائز حدود سے آگے نہیں بڑھی -

پنچ کا یہ دور بالکل قدرتی تھا - مغربیت کا سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا - مشرق کو زوال نصیب ہو چکا تھا - اس لیے طبایع ہر اس

چیز سے بیگانہ یا متنفر تھیں جس میں مشرقي آب و رنگ کي جھلک ہوتي - دوسري طرف ہر اُس چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھیں جن میں مغرب کي چاشنی ہوتي - پنچ نے ایک طرف اُن حیثیات سے بغاوت کي جو مشرق کے لیے باعث ننگ اور اس کي تباھي کا موجب تھیں - دوسری طرف اس نے اس کورانہ تقلید کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کی بنا پر لوگ دیوانہ وار مغرب کی پذیرائی اور پرستش کر رہے تھے- س میں شک نہیں بعض مواقع پر مثلاً گلزار نسیم کا مناقشہ ایسا ہے جس کا مذاق سلیم بمشکل متحمل ہو سکتا ہے بایںھمہ محض خسوف و کسوف کي بنا پر مہر و ماہ کو، کب تاریک کہا جا سکتا ہے -

بقول مرتب گلدستہ پنچ' منشی محمد سجاد حسین (۱۸۵۶-۱۹۱۵ ع مـشـہـور آڈیٹر اودہ پنچ) نے' بلا کی شوخ طبیعت پائي تھی - بذلہ سنجی و ظرافت تو گویا مزاج کا خمیر تھي ''

مسٹر گلیڈ اسٹن کو لکھتے ھیں (" کھلے خط اور سر بستہ مضامین '')

" مولوي گلیڈ اسٹن صاحب طولعمرہ - دعائے خیر نصیب شما باد ! ایسے زمانہ میں' جبکہ چارونطرف سے ھوائے شر و فساد' ہر ملک سے مسموم بغض و عناد کے جھونکے آ رہے ھیں تمہارے حق میں اس سے بڑھکر مناسب' دنیا میں شاید ھي کوئي اور دعا ھو.........اوپري لیس پوت کے واسطے تمھاري ذات مخصوص ہے - مگر اس کے لوازم اور مسالوں کي فراھمي اور ترکیب سے تم ایسے محروم جیسے ھندوستاني' جودت سے - تم پولیٹکل دسترخوان کے اچھے خانساماں اور ھوشیار خدمتگار ھو - پکا پکایا کھانا' طیار ھانڈي' تم خوبی سے چن سکتے ھو - مگر ھانڈي

پکانے اور چیز تیار کرنے کے نام سے خاک دھول بکائن کے پھول - تم نہیں
جانتے کہ طرح طرح کے کھانوں کے واسطے کون کون مسالا کیونکر پیسا
اور ترکیب دیا جاتا ھے - کبابوں میں کس چیز سے گلاوٹ آتی ھے -
پلاؤ کو دم کیسے دیتے ھیں - فارن پالیسی کا مزعفر اور متنجن' کیونکر
خوشگوار چاشنی پیدا کرتا ھے - کہتے ھیں جو کوئی چھچھوندر مار ڈالتا
ھے اُس کے ھاتھہ سے لذت جاتی رھتی ھے - شاید ایسا ھی ھوا ھو - مگر
اب یہ ضرورت بےشک معلوم ھوتی ھے کہ پہلے اچھا باورچی اور رکابدار
سب تیار کر لے - پھر دستر خوان لگانے اور خاصہ چلنے کے لیے تم
بلائے جاؤ ''

,, پیارے کارسپانڈنٹ کا پیارا خط' پیارے سالے کے نام ''

,, میرے پیاری جورو کے عزیز بھائی '' خدا تم کو نیک راہ پر چلائے
جس میں تمھاری بہن پژمردہ رھکر مجھکو پریشان نہ رکھا کریں -
افسوس تمھاری بےکاری اور اس پر شادی کی خواستگاری - تمھاری بہن
کو تو بڑی خوشی ھے کہ ایک پیاری' تربیت یافتہ بھاوج ملیگی مگر
بھائی میں ایک سلجھی ملنے کی آرزو میں سالے کو برباد کرنا پسند نہیں
کرتا......رھی یہ بات کہ دنیا میں شادی ایک ضروری فعل ھے -
خدا کی ودیعت اس سے بڑھتی ھے.......مگر یہ تو تب ھی ھونا
چاھئے' جب پہلی کا وقت گذرا جاتا ھو اور دوسری میں فتور پڑتا ھو ..
.....دو برس اور کالج نہ چھوڑو - بی - اے اور ایل ایل بی - پاس کر لو.....
رات دن پڑھنے کی جگہہ' کچھری اور سونے کے کمرے میں اپنے اور بی بی
دونوں کے پیٹ بھرنے کی کوشش کرو - دیکھو کیسا جلد دولت والے -
گھر والے - خدا کی قدرت ظاھر کرنے والے - اس کی ودیعت بدیعت کے
بڑھانے والے مشہور ھو جاؤگے - اور اس حالت میں تو مَیں ھرگز شادی
کرنے کی صلاح نہ دونگا - تمھارے تو باپ کی بھی دولت نہیں ھے

اور ہوتي تب بھی میں باپ کي قوت پر شادي کي صلاح نہ دیتا ؟؟

‏« نیچر کا مارشل لا ؟؟

‏« ....جس طرح ھماري سرکار' درندہ جانور پر' نر کی بہ‌نسبت مادہ مارنے سے دونا ڈیوڑھا انعام دیتی ہے کیونکہ وہ تو پیدائش کي جڑ ہے ـ اسیطرح حضرت عزرائیل نے عورتوں پر چھري پھیرنا شروع کر دي کہ نہ یہ ھونگی نہ انسان' برسات کے مینڈکوں کی طرح' گلی کوچوں میں کچھ کچا کے پیدا ھوگا' نہ مردم شماری کے نقشے آئے دن غلط ھوا کریں‌گے ـ آپے ایک دفعہ نقشہ بھر لیا ـ سو دو سو برس کو کافي ہے کبھي کبھی جانچ کرلي ـ فوتي فراري کا نام نکالڈالا' یہ روز کا قلم جاري رھنا تو موقوف ھوگا ؟؟ ـ

پنڈت تربھون‌ناتھہ سپرو' ہجر ـ

محرم‌الحرام :—.........بھئي لکھنو کا بھي محرم یاد رہےگا ـ ھم خرما و ھم ثواب ـ دنیا اور عقبیٰ دونوں کے فائدے ـ زیارتوں میں قندمکرر کی حلاوت - روحانی اور جسمانی دونوں لذتیں......بی حیدرجان کے سوز نے کیا کیا چھوتیں لی ھیں کہ واہ جی واہ ـ وہ رکھب گندھار لڑتی ھوئي ٹیپ کي تانیں تھیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ ـ ایک ھي مصرعہ کی تقسیم میں ملتاني' سري راگ اور بھیرویں کی چھاؤں دکھائي دي اور پھر کیا مجال کہ پڑھتے وقت چہرے پر شکن آتي ـ ایسا گلے کا لوچ اور آواز میں سوز وگداز دیکھا نہ سنا......؟؟

منشی جوالا پرشاد' برق (البرٹ بل)

"........پیارا بل ہاتھہ سے بے ہاتھہ ہوگیا - اس کی پیدائش پر کیا کیا ناز تھے - اس کے والدین نے اسے کیسے کیسے لاڈ سے پالا........ سوتیلی ماں کے پالے پڑا - ماں باپ ہاتھہ مل کر رہ گئے........جن پر ہمیں بھروسا تھا' جو ہماری خیرخواہی کا دم بھرتے تھے' وہی دغا دے گئے - وقت پر نکل کھڑے ہوئے - کاندھا ڈالدیا - گویا ہم بیچو بیچ سمندر میں ایک ٹاپو پر اُترے تھے - کھانا پکایا دستر خوان بچھایا - جیسے ہی کھانے کو ہاتھہ بڑھایا کہ دفعتاً جزیرہ ہلنے لگا اور دم کے دم میں سب غڑاپ سے سمندر میں - افوہ دھوکا ہوا تھا - وہ جزیرہ نہ تھا - وہیل مچھلی کی پشت تھی.........."

مغرب اور مغربیت کے خلاف' نواب آزاد نے جس معقول اور دلنشین پیرایہ میں طنز کی ہے اس کا جواب' بحیثیت مجموعی اردو ادب میں ملنا دشوار ہے - آزاد کی طنز و ظرافت میں جو چیز نہایت نمایاں اور بامزہ ہے وہ ان کی خلقی شگفتگی ہے - کینہ پروری اور زہر ناکی کا عنصر کہیں نمایاں نہیں ہے - اس اعتبار سے ان کو اُردو ادب کا ہوریس اور چاسر کہنا نا موزوں نہ ہوگا - آزاد نے ہندوستان کے سیاسی اور معاشرتی رجحانات پر نہایت جامع طریق سے اظہار خیال کیا ہے - ان کی طنز اور ظرافت' اتنی صحیح اور جامع' اور ادب و انشا کے صحیح معیار کی اس درجہ حامل ہیں کہ ان کے بقائے دوام پر دو رائیں ہونا تقریباً نا ممکن ہے - بایںہمہ اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نواب آزاد کی تحریریں' اکثر کافی حد تک عریاں ہیں اور کہیں کہیں تبسم زیرلبی کے بجاے' دانتوں تلے اُنگلیاں بھی دبانی پڑتی ہیں ان کے مضامین کے جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں-

نواب سید محمد آزاد، آئی، ایس، او :—

نواب آزاد، اپنی عفت بیگم کو نئی روشنی کی تلقین فرماتے ہیں -

"میں تو یہاں پڑھنے آیا ہوں - مگر کیا خاک کتاب دیکھوں کوئی آن، کوئی وقت، کوئی لحظہ بھی تو آئینۂ خیال کسی پری‌وش کے جلوہ سے خالی نہیں رہتا- جب کسی فرنگن کی واٹرسلک کی گون پر آنکھ پڑ جاتی ہے - مجھے تمہارا گرنٹ کا پائجامہ کس نفرت سے یاد آتا ہے - جب کسی کی میم کو دوسرے صاحب کے ساتھ بے تکلفانہ ناچتے کودتے دیکھتا ہوں، تمہاری شرم ایک تیر کی طرح دل کے پار ہوجاتی ہے - جب کسی معزز لیڈی کو بیف کے ٹکڑے پر ہاتھ صاف کرتے دیکھتا ہوں تمہارا چپاتیوں کو حنائی انگلیوں سے کھٹکنا یاد آتا ہے اور کیا جی گھبراتا ہے.........یہاں کی عورتیں، واللہ عورتیں نہیں ہیں تمہارے لکھنؤ کی بیگمیں نہیں ہیں کہ بھوت کا قصہ سنکر ڈریں، شیر کے نام سے کانپ جائیں - توپ کے آواز سے تھر تھرانے لگیں.........ایک چپاتی کھانے پر غرور کریں، حضرت عباس کی درگاہ تک جانے کو حج کا سفر جانیں - حوران انگلستان ایک دم میں پرانے بھوت سر سے اُتار دیں.........شیروں کے شکار کا تماشا دیکھنے جاتی ہیں - موقع اور محل سے ہاتھی پر بیٹھکر گولی بھی لگاتی ہیں.........سیر کرنے روم اور جزائر اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں پر، مرد احباب کے ساتھ بلکہ اکثر اوقات تنہا بھی چلی جاتی ہیں.........اپنے شوہروں کو وطن میں چھوڑ کر عجائبات روزگار دیکھنے، دور دراز ملکوں میں چلی جاتی ہیں اور اپنے تجربہ کو پختہ کرتی ہیں - بڑے بڑے لال کلّے اور سفید کلّے والے سفیروں سے ڈٹ کر ہاتھ ملاتی ہیں.........کسی کے مرجانے سے برسوں لباس سیاہ پہنکر پینی کھاتی اور ناچتی گاتی اور اس کی روح کی دعوت میں مصروف رہتی ہیں.........عمر بھر پارسا

بلکہ گرجوں میں پادری صاحبوں کے ھاتھہ پر صبح و شام توبہ کرتی ھیں........ اگر میں تم کو ساتھہ لاتا، تو سارا لندن تمہارا تماشا دیکھتا........ بیسیوں نوجوان لارڈ اور ڈیوک روزانہ مجھسے ملنے آتے........ میرا کام مفت میں نکلتا - یہاں عورتوں کی سفارش، ھر قسم کی سفارش سے زورآور اور پر اثر ھے - ان کی سفارش سے بڑے بڑے جلسوں کا ممبر بنتا ھے - ان کی سفارش سے عہدہ ھائے جلیلہ ملتے ھیں - ان کے ذریعہ سے اعلی درجہ کی صحبتوں میں رسائی ھوتی ھے - ان کی سفارش سے وزرا کی حکمت عملی میں فرق آجاتا ھے - ان کے دباؤ سے بڑے بڑے مدبّر، اپنی راے بدل ڈالتے ھیں........... مگر جب تک تمہارے باپ (جن کو میں ایک بڑے اور نیم مردہ قاز سے تشبیہہ دے سکتا ھوں) زندہ ھیں، بہت سی دقتیں پیش آئیں گی............"۔

ایک دوسرے خط میں (ڈیر پاپا) والد بزرگوار کو مخاطب کیا ھے :—

"........ یہاں کے ھوٹلوں اور مکانات عام میں، اکثر نوکروں کی جگہہ خوبصورت ؟ طرحدار ؟ تربیت یافتہ ' چست اور چالاک، کمسن عورتیں ھیں اور یہی لوگ ھر قسم کا کام، دن کو اور رات کو دینی اور کرتی ھیں — اور اس خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آتی ھیں کہ آدمی، اُن پر جان دینے لگتا ھے - حضور کے سر مبارک کی قسم، میری تو یہ کیفیت ھے کہ بے اختیار ان کو مارے محبت اور اخلاق کے گلے سے لگا لینے کو جی چاھتا ھے......حضور اگر دس ھزار روپئے سے میری تائید کریں، تو میں یہیں شادی کرسکتا ھوں - اور ایک بڑی قابل، حسین اور صاحب جائداد دلھن کو لے کر وھاں آسکتا ھوں - اس کی طرف سے تو کورٹ شپ کے لئے اصرار ھے مگر میں نے چونکہ حضور کی مرضی اس بارہ میں دریافت نہیں کی، اس لئے مجکو اب تک

انکار ہے............اگر میری شادی میری پسند کے موافق یہاں ہوجائے اور میں اپنی بی‌بی کو لے کر وہاں آوں اور چورنگی میں بر لب میدان ایک ہوا دار اور پر شوکت ایوان میں رہوں - تو اس وقت حضور دیکھہ سکتے ہیں کہ میری ولائتی بی‌بی اپنی لیاقت اور اخلاق سے کلکتہ کے اعلی درجہ کی صحبتوں میں کیسی رسائی پیدا کرتی ہے - روز کتنے دیسی ؟ سویلین اور ملٹری' جن کو خداوند کہتے کہتے آپ کی زبان خشک ہوتی ہے - میری میز پر صبح و شام کھاتے پیتے اور ناچتے گاتے ہیں اور ہم لوگوں سے اور یورپین لوگوں سے کیسی بے تکلفی اور دوستی رہتی اور ہوتی ہے............یوں میم ہونے کے سبب سے اماں جان اور ابا جان اور خالہ اماں' اس سے نفرت کریں تو یہ دوسری بات ہے مگر صورت' سیرت دیکھکر تو خدا کی قسم پھڑک ہی جائیں گی - اس بارے میں اور عزیزوں سے صلاح کرکے حضور مجھے جلد اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں - کیونکہ اب میرا کلیجہ درد ہجراں سے مونہ کو آتا ہے اگر وقت معینہ پر جواب عریضہ نہیں ملا تو شاید میں عالم اضطراب میں کورٹ شپ شروع کردوں اگر بعد اس کے آپ نے خلاف میں رائے ظاہر کی تو آپ کو ہرجہ دینا ہوگا.........""

ایک دوسرے عریضہ میں ڈیر پاپا کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ہے '

"......حضور کے سرفراز ناموں میں نہ تو کہیں امورات تمدنی پر رائے زنی ہوتی ہے نہ کسی مسئلہ اخلاقی پر بحث ؟ نہ گورنمنٹ کی کاروائی پر نکتہ چینی ؟ نہ جنگ کابل کا حل - پھر کیا آپ نے مجھے بارہ تیرہ ہزار روپیہ خرچ کر کے ممانی اماں کی خفگی ؟ اماں جان کی بدمزگی ؟ خالہ اماں کی لڑکی کی شادی ؟ چھوٹے بھائی کے مکتب اور محلہ والوں کی شادی غمی کی خبروں کے سننے کیلئے یہاں بھیجا ہے - میں حضور کے سرفراز ناموں کو اس طرح چھپاتا ہوں جیسے

عورت عمر ؟ مجروح داغ ؟ کیونکہ خدانخواستہ اگر حضور کا غیر مہذب
مراسلہ' یہاں کسی کے ہاتھہ پڑ جاۓ تو پھر لندن میں میرا رہنا مشکل
ہوجاۓ اور شاید فرط غیرت سے میں خودکشي کرلوں۔۔۔۔۔۔۔۔حضور
برابر تاکید فرما رہے ہیں کہ یہ ہیچ میرز بھی چھوٹی بیگم کي شادی کے
بارے میں راۓ دے۔۔۔۔۔۔افسوس ہزار افسوس کہ اب تک
خیال شریف میں یہ موٹي بات بھي نہیں آتي کہ جب تک
آدمي انگریزی نہ پڑھے کبھي زیور علم و اخلاق سے واقف اور نسواں کے فرشتہ
سیرت اور حور نژاد فرقے کي قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ہوسکتا ۔
للّٰہ ایکبار۔۔۔۔۔۔۔۔تشریف لائے اور خاندان کي ساری مستورات
کو لیتے آۓ ۔ پھر دیکھئے عورتیں کس طرح رہتي اور مردوں کي جودت
کي کل کو اپنی گرما گرمي اور باضابطہ اور پاک ناز نخرے سے کس طرح
گھوماتي رہتي ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میری راۓ میں چھہ برس تک
تو شادی کا ذکر ہي نہ کریں ۔ ابھي اُس کی عمر ہی کیا ہے صرف ۱۷ برس ۔
اور یہ عمر شادي کے واسطے مہذبوں میں نہیں ہے ۔ چھہ سال بعد
اس کو دولھا پسند کرنے کا موقعہ دینا چاھئے۔۔۔۔۔۔۔پس میری
خواھش یہ ہے کہ آپ جلد اس کا سامان سفر درست کریں۔۔۔۔۔۔اس
کے آنے کا بندوبست بخوبي سہل طور سے ہوسکتا ہے یعني حضور
اخبار دیکھتے رہیں ۔ جب کوئي طالب‌العلم یہاں آنے والا ہو اس
کے سپرد کردیں اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کسي حاکم یا نیل والے کے ساتھہ
بھیجیں کیونکہ ایک یوروپین کے ساتھہ وہ زیادہ آرام سے آسکیگی ۔
نیٹو لوگ مستورات کی قدر نہیں جانتے۔۔۔۔۔۔۔ہاں شاید آپ
یہ کہیں کہ اماں جان کی مفارقت' چھوٹي بیگم کو گوارا نہ ہوگي
اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت والدہ صاحبہ کے آنے میں کون سي قباحت
ہے کیونکہ حکام عالي مقام کي میم لوگ جب برسوں ان سے جدا

رہ سکتی ہیں تو آپ نے اگر تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے سے جدا کیا تو مضائقہ کیا ہے۰۰۰۰۰۰۰''

نواب آزاد نے ایک ڈکشنری بھی اپنے مخصوص رنگ میں تصنیف کی ہے جس کے متعلق پروفیسر شہباز کا خیال ہے کہ '' اس رنگ نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ اس وقت کے کل رنگ پھیکے پڑ گئے '' حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈکشنری بجائے خود اس عہد کی صحیح اور سچی تصویر ہے اور اسی عہد کی نہیں ، بلکہ چونکہ یہ ، حقیقت اور انسانی فطرت اور معاشرت پر مشتمل ہے اس لئے آئندہ ایک نامعلوم مدت تک اس کی کارفرمائی رہے گی - چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

پالسی :—گیدڑ بھپکی ، ہوائی بندوق کی آواز ، کمزور کو دبانا ، زبردست سے ڈرنا ، ممبران پارلیمنٹ کا آپس کا ناز و نیاز ، کسی کے جلتے ہوئے گھر سے تاپنا ،

انٹرسٹ (حقوق) :—وہ چیز جس کی حفاظت ضروری نہیں ، ایک قسم کی تمدن کی مچھلی جو کبھی جال میں نہیں پھنستی ،

پارٹی فیلنگ (پاسداریٔ جماعت) :— غول بیابانی کا قائم مقام بنکر اپنے ہم قوموں کو راہ راست سے بھکانا ، بے وجہ کسی سے عداوت ازلی ،

سویلزیشن :—اپنے ہموطن کو نیم وحشی جاننا - اپنے بزرگوں کو '' اولڈ گوس '' (پرانا قاز) کہنا ، ہارمونیم کی گت پر ، برانڈی کی دھن میں، پیروں سے تال دینا۔

تعلیم نسواں :— عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا۔

اپنی میم کا ' ناچنے کے جلسہ میں ایک وقت کے لئے
دوسرے کی میم سے تبادلہ کرنا

کارشلس :—ایک خاص قسم کا مادہ سنگ مثانہ جو مدبّروں کے
دماغ کا جزو لاینفک ہے اور جس کو کسی ڈاکٹر نے
آج تک پہچانا نہیں ' ہر قسم کے معاہدے کا ' خاص
ضرورتوں کے لئے توڑ دینا - ایمان کو حکمت عملی کی
اسپرٹ سے تر رکھنا -

پارلیمنٹ :—وہ پالی جہاں کا اصیل اور تیغی دونوں کٹرے - تمدن
کے دنگل میں حکمت عملی کے مطابق وزرا کے چت پٹ
ہو جانے کا سہارا -

یوروپین کنسرٹ (انجمن سلاطین یوروپ) :—کمزور سلطنتوں کے لئے
بٹوارے کا نیا قانون - دوسروں کے انتظام خانگی میں
دست اندازی کا بہانہ ' محجوب‌المیراثوں کے
حقوق کا سرپرست ' مشرقی مسئلہ حل کرنے کی
کھرل ' اصیل کے واسطے سنگ ریزہ اور تیغی کے لئے دانہ '
احمد کا مردہ محمود کی قبر !

اولڈ پاپا (پدر بزرگوار) :—اثبات حلال زادگی کے واسطے بے نظیر
دلیل - بے ضرورت دنیا میں رہنے اور دنیاوی امور میں
دخل دینے کو ہر وقت طیار ' آزادی نسواں کے لئے
برق آفت ' انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سب
سے بڑی شامت -

ان کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں مثلاً کورٹ شپ ' تھینکس د نائکا '
ڈومنی ' الکشن زادہ ' آیا ' میانجی وغیرہ ' جنکا اعادہ بخوف طوالت
نہیں کیا جاتا -

نواب آزاد نے "خمارستان کے تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسہ کا سالانہ ڈنر" بھی لکھا ہے ۔ "حاضرین نکبت قرین" میں ' مسٹر پینک الدولہ (چیرمین) چسکی الملک (گورنر صوبہ تریاک آباد) مرزا خماربیگ (راقم فوچو گزٹ) سید بانبو جنگ (کمانڈر انچیف افواج فغفوریہ) دھواندار خاں (انسپکٹر جنرل چانڈو خانجات) موجود تھے ۔

چیر مین نے اُس "شہنشاہ آفتاب نسب ۔ عادل' انصاف گستر" کا جام صحت تجویز کیا ہے :۔

"............جس کی رعیت سے بڑھ کر کسی کی رعیت' منکسرالمزاج' نرم طبیعت اور تہذیب یافتہ نہیں اور جس کی نیک نیتی اور پاک طینتی کی برکت سے افیون کی سی مفید' نفس کش اور مفرح چیز ہم لوگوں کے استعمال میں ہے... اور جس کی بدولت قوم حکمران نے ہم لوگوں کی جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ہے (چیرس) یہ اسی متبرک چیز کی برکت ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں نے آج تک بجز اس کی یاقوتی رنگت کے ' خون کی رنگت تک خواب میں نہیں دیکھی ' اور یہ اسی کی کرامت ہے کہ صدھا سال سے ہمارے کان ' بجز سامع نواز آواز بانبو کے ' توپ و بندوق کی وحشت انگیز اور عافیت سوز آواز سے آشنا نہیں..........ایسے ایسے کامل پروفسر لوگ ہماری یونیورسٹی میں ہیں جو برسوں مراقبے میں ستارے اور بروج

کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں...........“

اس کے بعد مرزا خماربیگ نے یوں گہر افشانی فرمائی :-

”.......میری دلی مسرت اور بڑی عزت کی یہ بات ہے
کہ میرے سپرد اس جلیل‌القدر مہمان کا توسط
ہوا ہے جو آج اتنے بڑے صوبہ کا گورنر ہے اور جس
کی قلم کی نوک پر ہم لوگوں کے اقبال و ادبار
کا دار و مدار ہے.........میں اپنی خوش نصیبی
سے گورنر ممدوح کا ذاتی دوست بھی ہوں اور
اکثر میں نے لڑکپن میں اپنی ولایت کی چراگاہوں
میں ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے سور کے خوشنما اور
خوش رفتار اور نیک اطوار بچوں کو چرایا ہے -
جو صفائی اور رونق کہ سرشتہ آبکاری کی ؟ ان
کی زمان حکومت میں ہوئی ہے ایسی کبھی آج تک
دیکھی نہیں گئی تھی اور صرف شراب اور افیون
کی تجارت کو ترقی دینے سے اس قلیل عرصہ
میں تہذیب اور علم ایسا شائع ہوئے کہ ہر
کوچہ و بازار میں شراب خانے اور مدک خانے
کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے
نیک نیت آدمیوں کی آنکھوں کو بڑا آرام ملتا
ہے........چیف کمشنر خرابہ کی رپورٹ سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جب سے رم کو ان کوہستانی ملکوں میں
رواج کیا گیا ہے تب سے سیکڑے میں بیس آدمی
آگے سے زیادہ قحط کی سختی اور خوف کو کم کرنے کے
لئے دارالبقا میں نشیمن کرتے جاتے ہیں........“

اس کے بعد ان سب کا جواب دینے کے لئے چسکی‌الملک (آنکھہ ملتے ہوئے) اٹھہ کھڑے ہوئے - سب سے پہلے انہوں نے مرزا خمار بیگ کا شکریہ ادا کیا - فوچو گزٹ اور دیگر اخبارات اور آنریبل ممبران کونسل کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا اور پھر یوں گویا ہوئے :-

"..................اس ملک کے انتظام کی باگ لیتے ہی میں نے آبکاری کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول کی اور اس میں جو کچھہ ترقی ہوئی ہے اس کا حال عام شفاخانوں یعنے شراب خانوں اور چنڈو خانوں کے نقشوں کی طرف دیکھنے سے ظاہر ہوسکتا ہے - افیون کا تجربہ ہمارے ملک چین میں ساتھہ کامیابی کے ہوچکا تھا اور اس لئے اس پر مجھے کامل بھروسہ تھا اور شراب نے انگلستان کو جو فائدہ پہونچایا ہے اس سے میرا ذہن خالی نہ رہا - الحمدللہ کہ ان دونوں چیزوں کے شائع کرنے اور پھیلانے سے خاطر خواہ ' عمدہ اور زود اثر ثمرہ ملا - افیون نے یکقلم خونریزی ' ڈاکے ' بغاوت اور خانہ جنگیوں کا انسداد کردیا اور شراب نے تجارت کو چمکایا - نحیف‌القوی آدمیوں کو ہر قسم کی محنت کرنے کی طاقت بخشی ' عہدہ داران فوجداری کے فائل کو بھاری کیا ' کونسلیوں کے جیب و دامن بھردئے - گورکنوں کی تعداد بڑھائی ' آئندہ قحط کا کامل طور پر انسداد کیا - اور فروغ

علم و تہذیب مغربی سے اس وحشي ملک کے
لوگوں کے دل و دماغ کو نوراني بنادیا......
فقط افیون و شراب سے علمي ' اخلاقي اور تجارتي
ترقي هي نہیں بلکہ آئندہ کے لئے بلائے قحط
کا شائستہ عنوان سے انسداد هوگیا اور ساتھہ اس
کے عمدہ اصول '' بیک کرشمہ دوکار'' سے خزانہ شاهي
بھی مالا مال هوگیا اور گورنمنٹ فغفوریہ کے
دوالا نکلنے کا خوف جاتا رها........بعض
صاحبوں کي یہ دلیل کہ هوم ملٹري خرچ کو
کم کردیا جائے تو ٹکس اور قحط کی ضرورت جاتی
رهے کیونکہ بے انتہا روپیہ خمارستان کے چیني
مدکیوں کا اُڑ جاتا هے ' محض بے کار هے - کوئي
اس کو غور نہیں کرتا کہ اگر دلاوران چین اس
ملک کی حفاظت نہ کرتے تو کیا ملک ؟ اجنبی
دشمنوں اور اندروني بغاوت کے صدموں سے محفوظ
رہ سکتا ؟ ابھي تک خمارستاني فوج اس قدر
لائق اور تربیت یافتہ نہیں هوئي کہ ان پر تکیۂکامل
کیا جاسکے اور یہ باهر کے دشمن کي فوج
سے لڑائي کر سکیں - گو متعدد چنڈو خانے ؟ جو
همارے چیني انجینیروں کے بنائے هوئے حصار
هیں مختلف مقامات ملک میں بنائے گئے هیں '
وهاں چیني رجمنٹیں رهتي هیں مگر ابھی تک
اس کثرت سے یہ خیالي قلعے نہیں بنائے گئے
کہ چیني فوج کا پیکن سے منگوانا موقوف هوسکے

اور هوم ملٹري خرچ گھٹایا جائے.........؟؟

ضمناً کچھہ روئداد جلنجال کونسل بھی سنئے :-

آنربل بابو بگلا چرنداس :- سوال - کیا گورنمنٹ کو اس کی واقفیت نہیں ہے کہ بسبب کثرت محنت دماغي اور ملیریل اور مرطوب مقامات میں رہ کر کام کرنے کے ' ایک کثیر تعداد منصفوں اور سب ججوں کی ' مرض آب نزول میں مبتلا هوکر بے وقت کی موت کي دعوت هی صرف نہیں کرتی ہے بلکہ اپنے فرائض کے انجام دهي سے روز بروز قاصر هوتی چلي جاتي ہے - اگر گورنمنٹ کی توجہ اس طرف ملتفت هوئی ہے تو کیا تدابیر ' ان وفا شعار اور قیمتي عہدہ داروں کے اس آفت سے بچانے کي کر رهي ہے یا کرنا چاهتي ہے - یہ بھي جاننے کی ضرورت ہے کہ گزشتہ پانچ برس میں اس مرض کی ستیز سے کتنے عہدہ دارون نے دارالبقا کا سفر کیا ہے اور کتنوں نے مجبوراً پنشن لے لي ہے -

آنریبل مسٹر فوکس :- جواب :- جس مرض کے حسرت ناک طور پر ممبران جوڈیشل سروس میں پھیلنے کي طرف آنریبل ممبر نے توجہ دلائی ہے اس کی خبر گورنمنٹ کو ہے مگر ان کو یہ جاننا چاهئے کہ جن اضلاع میں یہ عہدہ دار مامور هیں وهاں سیکڑے میں پچھتر آدمي کو اس قسم کا مرض ہے اور اس کی کثرت ؟ آب و هوا کے خاص اثر پر موقوف ہے جس میں گورنمنٹ کو کچھہ دخل نہیں - علاوہ بریں تجربہ سے دیکھا گیا

ہے کہ اس قسم کے امراض سے کسی قسم کا خلل ، ان عہدہ داروں کے کام کے انجام دھی میں واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک استقلال اور تسکین کے ساتھہ اپنی جگہہ قائم رہ کر اپنے فرائض منصبی کو مضبوطی کے ساتھہ انجام دینے کے عادی ہوتے چلے جاتے ہیں اور کسی طرح یہ مرض ان کے ظاہری اقتدار اور اعتبار میں خلل انداز نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کے وزن کو پبلک کی آنکھہ میں گھٹاتا ہے ....گورنمنٹ اس کو خلاف تہذیب سمجھتی ہے کہ ایسے امراض کے متعلق کوئی نقشہ پر کروا کر ممبروں کی واقفیت کے لئے پیش کرے اور شاید تمام آنریبل ممبروں کو ؟ ایسی زیادہ دلچسپی ؟ ایسے نقشوں سے نہیں ہے..........؟؟

گرما گرم تار کی خبر :- تاریخ ۱۷ مارچ ؟ واثما؟

""دو چار دن سے یہاں کے سفارتی حلقوں میں بڑی ہلچل مچی ہے اور یہ بات اب یقین کے قریب ہے کہ وہ ژولیدہ ، نیمجاں ، بد آواز اور وحشی کاکانوا ، جو باسفورس کے کنارے ایک بڑے ایوان عالیشان میں سرخ تاج پہنے ، ایک خوفناک تمدنی اڈے پر نیم غنودگی کے عالم میں ، اپنی بے پروائی اور سرکشی کی غیر مہذب اداؤں سے سلاطین یورپ کے نازک خیالات عظمت اور بے غرضانہ صلح جوئی کی عادت کو برسوں سے سخت صدمہ پہونچا رہا ہے ؟ آسانی سے مشکل اور

پیچیدہ مسئلہ مشرقي کے سلجھانے کے لئے اپنے
بیش قیمت اور خوبصورت پروں کو نوچلے نہ
دیگا ''

مولوي سید محمد عبدالغفور ' شہباز ' کي نظموں (طنزیات)
میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کي توجہ جذب کرتي
ھے وہ ان کي انتہائي بے ساختگی ھے - ان کے کلام میں
شاعرانہ بلاغت ؟ لطافت شعري یا ردیف و قافیہ کی برجستگي یا
موزوني ' تلاش کرنا بے سود ھے - انہوں نے اپنی روانیِ فکر اور جودت
تخیئل کو اصطلاحي پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ھے -
بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ھوتا ھے کہ مذھب اور
ملت کی طرف سے استغنا ھي نہیں روا رکھا ھے بلکہ ایک حد
تک بے پروائي کو دخل دیا گیا ھے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا
کہ وہ مذھب و ملت کو اسي قابل سمجھتے تھے' روا نہیں ھے -
اصل یہ ھے کہ بسا اوقات خیالات کي برجستگي اور شگفتگی خود
بخود ان حدود میں داخل ھوجاتی ھے جو کسي دوسرے صنف
کلام کے شاعر یا نثار کے لئے ارض ممنوعہ کي حیثیت رکھتي ھیں -
اس قسم کا ''تجاوز'' شعرا کے لئے جائز رکھا گیا ھے - کیونکہ ناظرین'
اس حقیقت کو پہلے ھي سے محسوس کرتے ھوتے ھیں کہ یہ
محض شاعرانہ تفنن ھے جس کو اعتقادیات سے کوئی نسبت نہیں ھے -
شہباز نے ایک موقعہ پر ''حضرت رمضان کا فوٹو'' اس طور پر
کھینچا ھے -

دو ھفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضاں ھیں
جھلّے یہ کچھہ ایسے ھیں کہ سب ان سے بجاں ھیں

ہے شام مہینوں ہی میں جاکر کہیں آتی
سنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
مسجد میں ہیں ترتیل و قرامت کے وہ جھگڑے
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں
ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کے گماں ہیں
مغرب ہی چلی جاتی ہے مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھی اسمیں ہی مرغوں کی اذاں ہیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب ورد زباں ہیں

شہباز کے "سلجھے ہوئے خیالات" میں ایک جگہ داڑھی یوں اُلجھی ہوئی ہے :—

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسئی رحمن
رکھیں فلک، اسے سر پر سمجھ کے کاھکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتے ہی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی ھنڈی ہے درشنی داڑھی

مسلمانوں میں "آثار اقبال" ملاحظہ ہو ؟

اہل اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
ہیں کچھ، آثار سے اقبال کے پائے جاتے
ھنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیرت سے
گر کبھی قوم کے خاکے ہیں اُڑائے جاتے

دستخط چندوں کي فہرست پہ کر دیتے ہیں
دے بھي دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے
شوق سے بیف ، مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھاتے سچ مچ ہیں جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے
"فائکٹوا" سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
کورٹ شپ کے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولدالکلبوں کا
گر یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

پنڈت رتن ناتھہ سرشار اور سجاد حسین کے بارے میں مولوی عبدالباري آسي صاحب نے اپني تصنیف تذکرۂ خندۂ گل میں بعض نہایت گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا جستہ جستہ اقتباس درج ذیل ہے :—

"............سرشار نے جو کُچھہ سیکھا وہ اودہ پنچ سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ، ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے ، ظرافت نگاري ان کا جزو تحریر ہوگئي تھی مگر سجاد حسین مرحوم کي ظرافت سے اس کو ذرّہ اور آفتاب کی بھي نسبت نہیں ہے - رتن ناتھہ سرشار جب ظرافت پر آتے ہیں تو کچھہ رسوم و رواج کے نقشے کھینچ کر ، کچھہ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھہ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اس میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ، کچھہ اصطلاحات خاص لاتے ہیں ، کچھہ ضرب‌الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ، کچھہ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں ، کچھہ کلام کو طول دیتے ہیں ، کچھہ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار

موقع بے موقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے ۔ اس میں بھی ایک نقّاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظرآتا ہے اور دوسری نگاہ خوردہ بیں ؟ طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو لندھور بن سعد ان کی داستان خیال کرنے لگتی ہے ۔ رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیب اور مزین معلوم ہوتے ہیں مگر وہ لعبت چیں سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان ۔ عام نظروں کو دھوکا دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں ۔ اُس کے مقابلہ میں سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی ؟ فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا ۔ غور کرنے پر اُس کے لطف میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں ۔ ایجاد ؟ ایجاز و اختصار ؟ فصاحت ؟ بلاغت ؟ ہر جگہہ دوش بدوش نظر آتی ہیں ۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے ۔ ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہہ میں ہوں اُسی کے لئے وضع ہوا ہوں؟ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے ۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے ؟ صرف زبان کا فرق رهتا ہے باقی کچھہ نہیں۔........... ۔ ،،

آسی صاحب نے سجاد حسین اور سرشار کا جو موازنہ یہاں پیش کیا ہے وہ خود " آورد ؟ سے خالی نہیں ہے اور صرف

« آورد » ھی نہیں بلکہ اُس میں ایک سنگین تضاد بھی موجود ھے ۔ سرشار کی ظرافت پر جو تنقید پیش کی گئی ھے (قطع نظر اُس سے کہ اِس کا اطلاق سرشار پر ھوتا ھے یا نہیں) وہ تقریباً حرف بحرف خود نعمت خان عالی پر صادق آتی ھے ۔ اگر سجاد حسین کو سرشار پر ترجیح ھے اور آسی صاحب کو اِس پر اصرار ھے توسجاد حسین کو نعمت خان عالی سے دور کی نسبت بھی نہیں دینا چاھئے ۔ نعمت خان عالی کے مضامین ان صفات سے قطعاً مُعرّا ھیں جو (بقول آسی صاحب) سجاد حسین کی امتیازی خصوصیات ھیں ۔ میرے نزدیک تو یہ زیادہ بہتر ھے کہ سجاد حسین کے بجائے سرشار کو نعمت خان عالی سے تشبیہ دیجائے اور یہ بھی محض اُن خیالات کی بنا پر جن کا اظہار آسی صاحب نے سرشار کے بارہ میں کیا ھے ۔ نعمت خاں عالی کا ھنسنا اور ھنسانا دونوں مصنوعی ھوتا ھے ۔ سجاد حسین کی تصانیف کے تقریباً سارے کردار اس محرومی سے محفوظ ھیں ۔ نعمت خان کی ظرافت یا طنز ‹‹ الفاظ ›› سے اور سجاد حسین کی ‹‹ واقعات ›› سے وابستہ ھوتی ھے ۔ اور راقم السطور کے نزدیک نعمت خان عالی اور سجاد حسین کی تصانیف پر یہ خیال آخری فیصلہ نہیں تو آخری فیصلہ پر جلد سے جلد اور براہ راست پہونچنے کا بہترین و آخر ترین وسیلہ ضرور ھے !

سرشار کی سب سے بہتر اور اُن کے کمالات کی بہترین نمائندہ تصنیف ‹‹ فسانہ آزاد ›› ھے ۔ اور اِس میں شک نہیں وہ سجاد حسین کے حاجی بغلول سے جامعیت میں کسی طرح کم نہیں ؛ خوجی کا کیریکٹر ، حاجی بغلول سے زیادہ متنوع ھے ۔ حاجی

بغلول ایک طور پر ڈکنس (Charles Dickens) کے پک وک ابراڈ (Pickwick Abroad) کا نامکمل اور ایک حیثیت سے ناقص چربہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسي کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حاجي بغلول ' اُردو طنزیات اور ظرافت میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اُس کا جواب اُردو میں کہیں نظر نہیں آیا ہے ۔

ہاں تو امر متنازعہ فیہ یہ تھا کہ سرشار کا فسانہ آزاد کہاں تک آورد اور تصنعات غیر ضروري سے پاک یا آلودہ ہے ۔ مولانا آسي صاحب نے اس بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے اُس کے بارہ میں آساني سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صحیح مقدمات (صغریٰ وکبریٰ) سے غلط نتیجہ نکالا ہے ۔ آزاد نے زندگي اور معاشرت کے ہر پہلو پر علٰحدہ علٰحدہ اظہار خیال کیا ہے ۔ اِس کے لئے مختلف حالات و حوادث پر مخصوص انشا اور مخصوص مصطلحات ' مخصوص الفاظ اور فقروں کا لانا ضروری تھا ۔ ہر مصنف یا اکثر کو ان ضروري مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ؛ چنانچہ نعمت خان عالي کو بھی انھیں نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ؛ لیکن جہاں نعمت خان عالی اور سرشار ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوجاتے ہیں ؛ وہ ذوق اور مقاصد کا اختلاف تھا ؛ سرشار کے سامنے منزل مقصود تھي ؛ نعمت خان عالي کے سامنے صرف وسیلۂ سفر تھا ؛ دونوں کے ذوق اور مقاصد جداگانہ تھے ۔ فن ادب اور انشا میں یہ چیزیں مصنف کی قسمت پر آخري فیصلہ ہوتی ہیں ۔

سرشار کي تحریر کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ہے :—

"........خواجہ صاحب کو بیماري کے سبب سے سخت

پریشان ہوتے تھے مگر چانڈو خانے میں بیٹھنے کا چسکا اور پھر یہ بھي خیال تھا کہ اب جہاندیدہ ہوگئے ہیں چلکر ذرا چانڈو خانہ میں سیر و سیاحت کا حال تو دیکھیں ڈولي منگرا کر سوار ہوئے اور چٹ چانڈو خانے میں داخل - لوگوں نے ان پر نظر ڈالي تو متحیر کہ یہ نئي پنچھي کون پھنسے ! (خوجي) :- سلام علیکم یاران - سلام علیکم برادران (امامي) مالیکم بھائي مالیکم آؤ کہاں سے آنا ہوا (خوجي) ذرا ٹکنے دو پھر کہوں - مگر میں بیٹھہ نہیں سکتا - دو برس لڑائي پر خستہ ہوگیا جب دیکھو مورچہ بندی ' ہر دم ساز و سامان سے لیس ؟ مر مٹے مگر وہ نام کیا کہ ساري دنیا میں مشہور ہوئے اور قسم جناب والد ماجد کی روح کي ' شیطان بھي ایسا مشہور نہ ہوا ہوگا - جیسا بندہ نے نام کیا یہ سب اس کي کریمي ھے (امامی) لڑائي کیسی - اب اس زمانہ میں خانہ جنگیوں تک کا ذکر تو سننے میں نہیں آتا ' لڑائي کیسي (خوجي) تم بسم‌اللہ کے گنبد میں بیٹھے بیٹھے کیا جانو (قادر) چانڈو کی نگالي چھوڑ کر—کیا روم روس کی لڑائي سے آتے ہو کیا - اور تو کوئي لڑائی نہیں سني ھاں ایران والے اور توران والے سے بھی مورچہ بندي ہوگئي تھي - (خوجی) تم کیا جانو روم روس کي لڑائي کا حال (قادر) روم والے نے روس کے بادشاہ سے کہا کہ جس طرح تمہارا چچا ہم کو خراج دیتا تھا اسي طرح تم بھي دیا کرو مگر اس نے نہ مانا اسي بات پر تکرار ہوئي تو روم کے شہنشاہ نے کہا اچھا اپنے چچا کے مقبرہ میں چلو اور پوچھو دیکھو کیا آواز آتي ھے - بس صاحب سننے کي بات ھے کہ (وھاں چانڈو کے چھینٹے اُڑنے لگے) - بس جناب روس والے نے کہا ہم نہ دینگے تو اس بات پر تکرار ہوئي - روم کے شہنشاہ کے پاس

حضرت سلیمان کي انگشتری تھي اور وہ انھوں نے کسي فرشتے یا موکل کي مدد سے ھوا پر بھیجي تو مدھا جن حاضر ھوئے بادشاہ نے حکم دیا کہ روس میں ھر چار طرف آگ لگا دو تو روس کي چار دیواري جلنے لگي - روس والے نے سب وزیروں کو جمع کرکے کہا کہ آگ بجھاؤ تو سوا کروڑ سقے مشکیں بھر بھر کے پاني لئے کھڑے تھے اور مشکیں اتني اتني بڑي کہ دو لاکھ من پاني جن میں آئے - (خوجي) کیوں صاحب یہ آپ سے کس نے کہا ھے (امامي) اجي یہ نہ پوچھو - ان سے سب فرشتے کہہ جاتے ھیں (قادر) بس صاحب سننے کي بات ھے کہ سوا دو کروڑ مشکیں جنمیں في مشک ھو لاکھہ من پاني تھا ملک کے چاروں کونوں پر پڑتي تھیں مگر آگ بھڑکتي جاتي تھی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دو کروڑ لاکھ سقے کام کریں اور مشکوں میں چھتیس چھتیس کروڑ من پاني ھو - (خوجي) اوگیدی کیوں اس قدر جھوٹ بولتا ھے (شبراتی) میاں سننے دو بھائي عجیب آدمي ھو (قادر) اجي آپ لکھنؤ کے رھنے آدمی ان ملکوں کا کیا حال جانیں - روم روس مازندران توران انوپ شھر کا حال ھمسے سنئے (امامي) وھاں کے لوگ بھی دیو ھوتے ھیں دیو (قادر) روس کے بادشاہ کی غذا کا حال سنو تو چکرا جاؤ - سویرے منھ اندھیرے چھہ بکروں کي یخني - چار بکروں کے کباب ' دس مرغ کا پلاؤ اور دو سوویلے ترکیب کے ساتھہ کھاتے ھیں اور نوبجے کے وقت سو مرغ کا شوربہ اور دس سیر ٹھنڈا پانی ' بارہ بجے جواھرات کا شربت کبھي پچاس من کبھي ساٹھہ من؟ چار بجے دو کچے بکرے دو کچے ھرن؟ دو کچے کبوتر جنگلي؟ شام کو شراب کا ایک پیپہ اور پھر رات گئے گوشت کا ایک چھکڑا - (امامي) جب تو طاقتیں ھوتي ھیں کہ سو سو آدمیوں

کو ایک آدمي مار ڈالتا ھے ؟ ھندوستان کا آدمي کیا کھاکر لڑے گا (شیراتي) ھندوستان میں اگر ھاضمے کی طاقت کچھہ ھے بھي تو چانڈو کے سبب سے ورٓلا نه سب کے سب مرجاتے (قادر) اسمیں کیا کلام ھے بھائي صاحب دریں چه شک (امامي) سنا ھے ھاتھي سے تنہا مقابله کرتے ھیں روس والے (قادر) ھمسے سنو - دس ھاتھي ھوں اور ایک روسي دسوں کو مار ڈالیگا - ھاتھی کي مستک پر گھونسا مارا اور وہ چنگھاڑ کے بیٹھہ گیا ؟ بیٹھا اور مرگیا (خوجي) روس جانے کا کبھي اتفاق ھوا ھے آپ کو (قادر) اجی ھم گھر بیٹھے ساری دنیا کي سیر کو رھے ھیں (خوجي) یارو ھم کس سے کہیں ابھي جنگ کے میدان سے آتے ھیں ھمنے تو وھاں ھاتھي دیکھے ھي نہیں -- (قادر) روم والوں نے جب آگ لگادي تو گیارہ برس گیارہ مہینے گیارہ دن گیارہ گھنٹے جلا کي - اب جاکے پرسوں ذري آگ بجھی ھے (خوجي) اُف فوہ سر پیٹنے کو جي چاھتا ھے - ارے یارو اس جھوٹ پر خدا کي مار (قادر) آپ کي تو صورت ھي کہے دیتي ھے که آپ روم ضرور گئے ھیں (خوجي) بھلا روم کي دارالسلطنت کا نام کیا ھے (قادر) مرزبان ' دس کوس اِدھر دس کوس اُدھر پہاڑ ھے (خوجي) مرزبان نام تو کوئي شہر ھي نہیں - تم کیا جانو مرزبان وہ شہر ھے جہاں ' خیر ' اور پریاں پہاڑوں پر رھتي ھیں اور دس کوس کے فاصلے پر آدم زاد اور پہاڑوں پر وھاں بادل روئي کے گالوں کی طرح چشموں میں پاني پي پي کے آسمان پر جاتے ھیں اور آسمان کے رھنے والوں کو پاني پلاتے ھیں (خوجي) یا خدا ان لوگوں کو سیدھے ڈھرے لگا (قادر) اچھا بتاؤ روم کے بادشاہ کا نام کیا ھے (خوجي) ھمسے پوچھتے ھو خدا کي شان (قادر) ھاں ھاں آپسے پوچھتے ھیں - بتائیے

(خوجي) سلطان عبدالحميد خاں بہادر غازي (قادر) ھنسکر واہ واہ بس بس آپ خاک نہیں جانتے (امامی) پھر یہ کیا کہتے ھیں کہ ھم روم سے آتے ھیں (قادر) بھلا لڑائي کا انجام کیا ھوا بتائے (خوجي) پلونا کی جنگ میں سپہ سالار ترک قیدھو گیا ، قلعہ ھمارے ھاتھہ سے نکل گیا اور روسیوں نے فتح پائی (قادر) کیا کہتا ھے بدبخت خبردار جو اب ایسا کہا ھوگا تو الٹے پونٹیں ماروں گا کہ بھرکس ھي نکل جائے گا - (نواب) جي میں آتا ھے کہ اس وقت ان کی مرمت کردوں (امامي) ھمارے بادشاہ کے حق میں بري بات نکالنا کیا معنی - بد خواہ ، بے ادب آدمي - بچہ یہاں ایسي باتیں کروگے تو پٹ جاؤگے اور سنئے اچھے ملے (خوجی) سنو صاحب ھم شاھي کے کمیدان ھیں اور (قادر) اب زیادہ بولو گے تو اٹھکر کچومر ھی نکال دوں گا ؟ ھمسے بڑھکر روم کا حال تو جانتا ھے (خوجي) جناب آپ تو پڑھے لکھے آدمي ھیں (قادر) قسم خدا کي اگر ذرا بولے تو بنیگی نہیں - (امامي) اب تم بے پٹے نہ جاؤگے کیا (شبراتی) یہ ھیں کہاں کے ؟ قبر سے نکل بھاگا ھے کیا - صورت تو دیکھو مردے کي سی !

دد (آزاد) پیر و مرشد صف شکن علي شاہ وھاں ملے تھے (نواب) بہ آواز بلند - واہ ؟ لو صاحب سنو ارے مرا صف شکن علي شاہ ! (مصاحبین) بآواز بلند - جزاک اللہ جزاک اللہ ، واہ رے صف شکن علي شاہ (خوجي) خداوند اس ڈانٹ ڈپٹ کا بٹیر بھي کم دیکھا (نواب) دیکھا ھي نہیں کم کیسا (مصاحبین) حق ھے حق ھے واللہ بہت صحیح ھے (نواب) ارے میاں

غفور ذرا گھر میں اطلاع کردو کہ صف شکن علي شاہ بہ خیریت
ہیں معرکۂدار وگیر میں انکو لوگ دیکھہ آئے ہیں - مہری نے
اندر جاکر ہنستے ہنستے کہا " سرکار مبارک ہو بڑی خوشي کي خبر
غفور کے زباني سننے میں آئي ہے حضور نے کہلا بھیجا ہے کہ ہمارے
صف شکن علي شاہ (مسکرا کر) روم کي لڑائي میں ہیں ؟ معتبر
لوگوں نے دیکھا ہے............ (نواب) بھلا کسي مورچے پر گئے
تھے یا نہیں دور ہي سے دعا دیا کئے (خوجي) خداوند غلام جو
عرض کرے گا کسي کو باور نہ آئے گا اور یہ آپکے پاجي مصاحب
مجھے جھوٹا بنائیں گے اور میں جھلاؤں گا اور مفت کي تھائیں
تھائیں ہوگي - (نواب) کیا مجال - خدا کي قسم اب تم میرے
رفیق خاص ہوئے تملے جو تجربہ حاصل کیا ہے - بھلا دوسرا تمہارا
مقابلہ کر سکتا ہے - (خوجي) یہ حضور کے اقبال کا اثر ہے
خداوند ورنہ من آنم کہ من دانم کا نقشہ ہے اذل خلائق ' ہیچمیزر ؟
ہیچمداں ؟ نالائق ' رد خلائق ' مردود ومطرود ' نا معقول ہوں
.... حضور بات یہ ہوئي کہ غلام لب چشمہ سار ایک
پیالي میں آھستہ آھستہ افیم گھول رہا تھا کہ بس درخت
کي طرف سے نظر کرتا ہوں تو نور کا عالم - یا الٰہي یہ ماجرا
کیا ہے ' یا خدا یہ کیا اسرار ہے غور کرکے دیکھتا ہوں تو
روشني ؟ پہلے تو میں سمجھا کہ چنار کا درخت ہے مگر دم
کے دم میں ہمارے حضور صف شکن پھر سے آن کر ہاتھہ پر بیٹھہ
گئے - (نواب) شکر خدا ہزار شکر خدا ؟ بڑے خوش ہوئے ہوگے
(خوجي) حضور جیسے کروروں روپیہ مل گیا ؟ دنیا بھر کی اقلیم
کے مالک بن بیٹھے ؟ حضور کا حال بیان کیا ؟ یہاں کا ذکر
چھیڑا ؟ سرکار کي بیقراري اور فراق میں نصیب اعدا گریہ و زاري

کا حال کہا ' بس حضور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کسی لڑائی میں غنیم جم ھی نہ سکے جنگ ھوئی اور روسیوں نے توپوں پر بتی لگائی اور ادھر مرے شیر نے کیل تھونک دی - (نواب) ایں ؟ آھا ھا ھا ؟ واللہ اے میرے صف شکن علی شاہ ! (مسیتا) خداوند جانور کیا جادو ھے ' سحر ھے پرکالۂ آتش ھے (خوجی) بھلا اسکو کوئی بتیر کہہ سکتا ھے اور جانور آپ خود ھیں ؟ ایسا ثقیل اور سخت اور ناملائم لفظ انکی شان میں آپ استعمال کرتے ھیں - نا معقول ! (نواب) مسیتا بیگ اگر تم کو اچھی طرح رھنا ھے تو رھو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو - اس کے کیا معنی ؟ آج کو صف شکن کو جانور بنایا کل مجھے جانور کہو گے - مصاحب ھو کہ آقا ھو (مصاحب) خداوند بجا ارشاد ھوا یہ نرے پھوھڑ ھیں........ (بیگم) صف شکن علی شاہ اب کہاں ھیں - (نواب) واللہ مجھے یہ حال معلوم ھی نہیں تھا کہ جنگ و جدال میں بھی برق ھیں میں تو سمجھتا تھا کہ صرف خانہ جنگیوں ھی میں استاد ھیں - مگر اس نے تو جاکے توپوں میں کیلیں ٹھوک ٹھوک دیں - اللہ اللہ ' خدا جانے یہ سب سیکھا کس سے ھے ؟ (بیگم) یہ خدا کی دین ھے سیکھنے سے کہیں ایسی باتیں آتی ھیں (نواب) واللہ سچ کہتی ھو بیگم صاحب ؟ سچ ھے پیاری اس وقت تم سے جی خوش ھوگیا - اے غضب خدا کا ' کجا توپ کجا کیل ؟ کجا صف شکن ' خیال تو کرو ؟ سبحان اللہ سبحان اللہ (بیگم) اگر پہلے سے معلوم ھوتا تو صف شکن کو ھزار پردوں میں چھپا کے رکھتی - کبھی ھوا بھی نہ دیتی مگر اب تو جو ھوا سو ھوا - ھاں خوب یاد آیا سنو وہ تو ابھی جیتے جاگتے ھیں اور تمنے انکا مزار بنوا دیا - یہ کیا (نواب) واللہ خوب یاد دلایا ؟ پیش از مرگ

واویلا (بیگم) یہ تو صریح کوسنا ہوا کسی بیچارے کو (نواب) کوسنے کے علاوہ اسمیں اور فیہ بھی ہے فرض کرو سیر کرتے ہوئے اسیطرف آنکلے اور پڑھے لکھے تو ہیں ہی ؟ نظر پڑگئی ؟ کہ "مزار پر انوار میاں صف شکن علی شاہ" تو اس وقت کہیں گے کہ ماشاالله یہ لوگ میری موت ہی کے خواہاں تھے - کیا جھپاک سے قبر بنوادی ہے اس سے بہتر یہی ہے کہ کھدواڈالوں ورنہ بری ہوگی -

---

حضرت اکبر حسین، اکبر الٰہ آبادی

لسان العصر اکبر مرحوم کے کمال شاعری پر صحیح ؟ جامع اور مختصر ترین فیصلہ ، اگر اب تک کہیں مل سکا ہے تو وہ ترجمان حقیقت علامہ اقبال کا یہ ارشاد ہے ؟ -

سرِ ذروۂ طور معنی کلیمے
بہ بُت خانۂ دور حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بہارے
گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے

اکبر کا زمانہ اکبر کے لئے عین مقتضائے فطرت تھا - مسلمانوں کے زوال کا ماتم حالی نے کیا ہے اور مرثیت کا دور ، حالی کے ساتھہ ہی ختم بھی ہوگیا - راقم السطور کے نزدیک حالی کی شاعری کا اخلاقی پہلو اس اعتبار سے نہایت اہم اور بلند ہے کہ اُن کا مرثیہ "تخریبی" ہونے کے بجائے یکسر "تعمیری" تھا - اُن کے قومی ماتم میں تخلیقی شان تھی - خاندانوں کی زندگی سے ملتی جلتی ہی زندگی اقوام کی بھی ہوتی ہے - مثال کے طور پر کسی خاندان کو لے لیجئے - فرض کیجئے کسی ظالم یا غاصب نے خاندان کو یکسر تباہ اور غارت کردیا ؟ پسماندگان ،

فرط غم و الم سے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک کم و بیش یہی عالم رہتا ہے - مرور ایام سے حادثہ کی شدت کم ہو جاتی ہے بااینہمہ اپنی حالت بہتر بنانے یا غاصب سے انتقام لینے کی کافی سکت نہیں ہوتی - اس وقت تھوڑا بہت ماتم ؛ بہت کچھ طعن و تشنیع اور ہجو و ہزل سے دل کا بخار کم کیا جاتا ہے - یہ دور بھی ختم ہوتا ہے اور پسماندگان اپنی حالت کو قدیم سطح پر لانے اور ظالم سے انتقام لینے پر اپنے آپ کو جری پانے لگتے ہیں یہ وقت رجز اور حرب و ضرب کا ہوتا ہے - ٹھیک اسی طور پر ہماری سوسائٹی ' ہماری شاعری اور ہمارے شعرا کی بھی ابتدا ' ارتقا اور انتہا ہوئی ہے - حالی نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا - اکبر نے طنز اور ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرہ جنگ بلند کیا - انہیں وجوہ کی بنا پر راقم‌السطور کے نزدیک حالی' ماضی کے ؛ اکبر حال کے اور اقبال' مستقبل کے شاعر قرار دئے جاسکتے ہیں -

حالی نے خود ایک جگہ کہا ہے :-

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی
بھول جائے صبح ہوتے ہی وہ سب شب کا سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے ' اب تک دھواں

اقبال فرماتے ہیں :-

من صدائے شاعرِ فرداستم

یا

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اب دیکھنا یہ ھے کہ کن حالات کے ماتحت اکبر نے اپنا پیام رسالت ہم تک پہونچایا ھے -۔ اس زمانہ میں اغیار کي دراز دستی، اقربا کي سادہ لوحي، برادران یوسف کي بے اعتنائی و سرد مہري، مذھب و ملت کي کس مپرسي، حکومت کا استیلا، مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ، مجبوراً شاعر نے درمیاني راستہ اختیار کیا - وہ طعن و ھجو سے مرافعہ کرتا ھے، ھنسا ھنسا کر رولاتا ھے اور کھلا کھلا کر مارتا ھے - تلخ حقائق کو شربت کا گھونٹ بنا دیتا ھے، روتا ھے تو ایسي صورت بنا کر کہ لوگ ھنستے ھنستے رو پڑیں، ھنستا ھے تو اس انداز سے کہ لوگوں کے گریہ گلوگیر ھوجائے -

اکبر کے عہد کا بہترین خاکہ جو اب تک راقم‌السطور کی نظر سے گزرا ھے اور جو اپني معقولیت اور جامعیت کا خود ھی نظیر ھے، مولانا عبدالماجد صاحب بی - اے - دریا بادي کا وہ حصۂ مضمون ھے جو رسالہ اُردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع میں شائع ھوچکا ھے - ممدوح نے جس خوبی، بصیرت اور بلند آھنگي سے حالات اور واقعات کا مرقع کھینچا ھے، اس کا یہاں تذکرہ ناگزیر ھے - ان کو مد نظر رکھکر لسان العصر کے شاعرانہ کمال کا اندازہ لگانا آسان بھي ھوگا اور مفید بھي - وھوھذا

"اکبر کی شاعري کي نمود و ترقي کا زمانہ، انیسویں صدي عیسوي کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا خمس اول ھے - یہي زمانہ ھندستان میں مغربی تمدن، مغربي اخلاق، مغربی معاشرت، غرض مغربیت کے انتہائے عروج و شیوع کا ھے - اکبر جب دنیا سے روشناس ھوتے ھیں تو اُن کے ملک و قوم کي یہ حالت ھے کہ غدر ۱۸۵۷ ع کو فرو ھوئے چند سال گزر چکے ھیں - ھندوستان بیرونی

مداخلت و تسلط کے شکنجہ میں پورے طور پر کسا ہوا ہے - مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھہ اپنی شامت اعمال کے نتائج بھگت رہی ہے - اسلامی اخلاق ؛ اسلامی آداب ؛ اسلامی شعائر ؛ مدت ہوئی ' رخصت ہوچکے ہیں - ثروت و خوشحالی کا اول تو وجود ہی عنقا ہورہا ہے اور پھر جو کچھہ ہے بھی ؛ وہ عیاشیوں ؛ نفس پرستیوں کے لئے وقف ہے - تعلیم وتربیت ؛ اتفاق و اتحاد ؛ نظم و انتظام ؛ ضبط و خود داری ؛ ہمت و بلند نظری ؛ صداقت و حق پرستی ؛ قناعت اور ایثار میں سے کوئی ایک شے موجود نہیں - عقائد میں تزلزل آچکا ہے ؛ ایمان کی مضبوطی ایک افسانۂ پارینہ رہ گئی ہے - حرص و طمع ؛ مکر و نفاق؛ خود غرضی و غداری ؛ نفس پروری اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہے - اُس کے مقابلہ میں برطانیہ کی عظمت کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے - داد خواہی کے لئے انگریزی عدالتیں ہیں ؛ تعلیم کے لئے انگریزی مدرسے ہیں ؛ سفر کے لئے انگریزی سواریاں ہیں ' علاج کے لئے انگریزی شفا خانے ہیں ؛ رسل و رسائل کے لئے انگریزی ڈاکخانے ہیں ؛ مہاجنی کے لئے انگریزی کوٹھیاں اور بانک ہیں ؛ ماضی سے واقفیت کے لئے انگریزوں کی کتابیں ہیں ؛ حال سے باخبر رہنے کے لئے انگریزوں کے اخبارات ہیں ؛ مستقبل کی پیشینگوئی کے لئے انگریزی سائنس ہے ؛ عزت و حکومت کے لئے انگریزی عہدے ہیں ؛ حصول زر کے لئے انگریزی پیشے (بیرسٹری وکالت ڈاکٹری ؛ انجینری وغیرہ) ہیں - زینت و آرائش کے لئے انگریزی مصنوعات اور انگریزی بازار ہیں ؛ نشاط وتفریح کے لئے انگریزی پارک اور انگریزی تماشہ ' تھیٹر وغیرہ ہیں - غرض جس طرف بھی رخ پھرتا ؛ حد نظر تک ایک غیر محدود نا متنا ہی پرچم ' انگریزی اقبال کا لہراتا

ہوا نظر آتا............ سوتے ہوئے شخص کے کمرہ میں دفعۃً تیز روشنی کر دیجائے تو وہ سمجھے گا کہ آفتاب نکل آیا - یہی حال اِس وقت قوم کا تھا - اضطرار قلب ، انتشار خاطر ، اختلال حواس و اجتماع حوادث کے وقت، دیو میں پری کا حسن و جمال معلوم ہوا ، عجوز هفتاد ساله پر نازنین شانزدہ سالہ کا دھوکا ہوا - دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگا -

اب مغرب کا جادو ساری قوم پر چل گیا - علم و فضل کا معیار کمال یہ قرار پایا کہ انگریزی زبان آجائے ، تلفظ انگریزوں کا سا ہوجائے ، اور انگریزی علوم سے واقفیت ہوجائے - تہذیب و شائستگی کی معراج یہ تھری کہ کھانا انگریزی کھایا جائے ، لباس انگریزی پہنا جائے اور انگریزی تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھہ کر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کرلیا جائے - شرافت و عزت کا منتہائے خیال یہ قائم ہوا کہ ہر ممکن ذریعہ سے انگریزی عہدے حاصل کئے جائیں - انگریزی حکومت کی برکات کا وعظ کہا جائے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کو نقصان پہونچا کر انگریزی دربار میں رسوخ حاصل کیا جائے ، عقل و دانش کا یہ مفہوم قرار پایا کہ ہر انگریزی مصنف کے ہر قول پر بے چوں و چرا ایمان لے آیا جائے اور اپنے علوم و فنوں ، اپنے شعائر و رسوم ، اپنے عقائد و خیالات کو یکسر اوهام کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے - اُردو زبان، اِس لئے حقیر نظر آنے لگی کہ یہ "سرکار" کی زبان نہیں - پردہ کی رسم اِس لئے غلامئی نسواں کی مرادف نظر آنے لگی کہ انگریزی خواتین کا شعار بے حجابی کا ہے - تعدد ازدواج کا دستور اِس لئے شرمناک محسوس ہونے لگا کہ انگریزی قوم ایک سے زاید منکوح بیویاں رکھنے کے ضابطہ سے نا آشنا ہے - عرش کے انکار پر سب سے قوی دلیل یہ قائم ہوئی کہ انگریزی ہیئت اور جغرافیہ

کي کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ـ شیاطین ، جنات اور ملائکہ کے وجود کے ابطال کے لئے یہ دلیل قطعي نکلي کہ انگریزي سائنس' کسی آلہ کي مدد سے اُن کا مشاهدہ نہ کرسکی ـ معجزات کا دعویٰ اِس لئے قابل مضحکہ ٹھرا کہ مل اور اسپنسر اُن کے قائل نہیں ـ نبوت اور الوهیت کے عقائد میں اِس لئے رخنے پڑنے لگے کہ هکسلے اور هیوم متشکک رهے هیں...... بہر حال یہ فضا تھي جس میں اکبر نے اپني آنکھیں کھولیں' یہ ماحول تھا جس میں اُنھیں اپنا پیام پھونچانا تھا..........فطرت کي جانب سے وہ ایک رسول هوکر آئے تھے ـ اُن کا پیام اُسي تحریک مغربیت کے خلاف ردّ عمل تھا ـ اُن کی شاعری اول سے آخر تک اسي مادیت اور مغرب پرستي کا جواب هے " ـ

اکبر نے زندگي کے هر شعبہ پر اپنے مخصوص رنگ میں اظہار خیال کیا هے ـ اُن کے یہاں بعض بعض الفاظ کے مخصوص معني اور مفہوم هیں جن کو وہ اس لطیف انداز سے اپنے کلام میں لاتے هیں کہ اُن کا پورا مفہوم واضح هوجاتا هے حالانکہ اُن کي تشریح کی جائے تو ورق کے ورق سیاہ هو جائیں اور پھر بھي کافي طور پر دلنشین نہ هو سکیں مثلاً نیٹو ، بابو ، مولوي ، کمسریٹ ، اُونٹ ، بسکٹ ، بدھو ، بفاتي ، صاحب ، شیخ صاحب ، لاٹ صاحب ، گزٹ ، ڈارون ، کالج ، ڈنر ، اسپیچ ، کونسل ، کیمپ ، پریڈ ، کمیشن وغیرہ ـ

اِسي سلسلے میں مناسب هوگا اگر یہاں اکبر کے مسلک کا بھی ضمناً تذکرہ کر دیا جائے ـ اکبر مشرقیت کے دلدادہ اور " مولویت " سے بیزار هیں ـ وہ باطن کو ظاهر پر فوقیت دیتے هیں ـ وہ مغرب کی مادیت کو مذهب اور اخلاق کا دشمن سمجھتے هیں ، وہ هندوستان کي قومي تحریکوں کے حامی تھے ، لیکن هر بونگ سے قطعاً بیزار تھے ، وہ شوهر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈي (Lady) پر ترجیح دیتے

هیں ۔ غرض که وہ اِن تمام باتوں کے خلاف جنگ آزما تھے جن کا تعلق بد مذاقي ، کورانه تقلید ، بے تمیزي ، اور تنگ نظري سے تھا ۔

اب یہاں بعض عنوانات کے تحت میں لسان العصر کے کلام کا جسته جسته نمونه پیش کیا جاتا ھے ۔

ظرافت اور زندہ دلي :-

یوسف کو نه سمجھے که حسیں بھي ھے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھي

دُھن دیس کي تھي جس میں گاتاتھا اک دیہاتي
بسکٹ سے ھے ملائم پوري ھو یا چپاتي

کمیٹي میں چندے دیا کیجئے
ترقي کے ھجّے کیا کیجئے

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جي نے ھم کو پتا نه سمجھا

فرمائیے ھیں یه خوب بھائي گھورن
دنیا روتي ھے اور مذھب چورن

عاشقانه آپ کي وحشت نہیں ھے اے جناب
چغد سے جب پوچھتے ھیں راہ ویرانے کي آپ

بند تاپے میں تھے وہ بنگلے پر
صبح کے وقت ھنس پڑي اک میم
جب وہ بولے بجائے ککڑوں کوں
" مرغ شاخ درخت لاھو تیم "

بوڑھوں کے ساتھہ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھي کیا کریں

بسے برگیڈ میں جاکر رفاقت اس کو کہتے ھیں
ھوئے مدفوں تکئے میں اصالت اس کوکہتے ھیں

اولڈ مرزا ھر طرف بدنام ھیں
ینگ بدّھو وارث اسلام ھیں

جس نے دل کو لے لیا ھے دل لگي کے واسطے
کیا تعجب ھے کہ تفریحاً ھماري جان لے

کہاں اور کس طرف قائم کروگے یادگار ان کي
دم آخر یہ ذکر ان سے کرو' یسین کیا ھوگي

وہ فقط وضع کے کشتہ ھیں نہیں قید کچھہ اور
بھینس کو گون پنھا دیجئے عاشق ھجائیں

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ھوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ھوگا

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جمّن

حکم برٹش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہي ہے بھائي صلّو کا

مذہبی بحث میں نے کي هي نہیں
فالتو عقل مجھہ میں تھي هي نہیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھہ ندان ہے
لیکن معائنۂ کو وهي نابدان ہے

تھے معزز شخص لیکن ان کي لائف کیا لکھوں
گفتني درجِ گزٹ، باقي جو ہے نا گفتني

شیخ جي کے دونو بیٹے باهنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسي پاگئے

مولوي صاحب نہ چھوڑیں گے، خدا گو بخش دے
گھیر هي لینگے پولیس والے سزا ہو یا نہ ہو

سیاسیات :—

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

کونسل میں سوال کرنے لگے
قومي طاقت نے جب جواب دیا

بوزنے کو رقص پر کس بات کي میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداري کو مبارکباد دوں

سر افرازی ہو اونٹوں کي تو گردن کاٹئے ان کي
اگر بندر کي بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت
دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو
انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

سیدے ادھر ایسے کہ سہیں جور رِفل بھي
کان ان کے وہ نازک کہ گراں میري غزل بھي

جب آنکھہ کو کھلنے میں ہو جھپک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ھي اپنا فضل کرے

کیا ناز ہو ایسي ساعت پر افسوس ہے ایسي حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھہ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھہ نہ کرے

بے عزت ہو کے جو چلئے تو محلہ میں حقیر
باعزت ہو کے جو رہئے تو فرشتوں میں خفیف

جو پوچھا مجھہ سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں ہے
میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہري کرے مجھہ سے
اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے
بالاخر کہدیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ
و لیکن مولوي ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھي آپ پاتے گاندھي کي گوپیوں میں

مذاق عشق :—

ہم آہ بھي کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

واہ کیا راہ دکھائي ہے ہمیں مرشد نے
کعبہ کو کردیا گم اور کلیسا نہ ملا

بتوں سے میل ، خدا پر نظر ؟ یہ خوب کہی
شب گناہ ، نماز سحر ، یہ خوب کہی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
حسرت بہت ترقیِ دختر کی تھی اُنھیں
پردہ جو اُٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

اب نہ جنگی علَم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ من
کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب‌گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
گو دعویٰ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر
کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

دین دنیا :—

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ھیں
حجاب اُن کو نہیں آتا اُنھیں غصہ نہیں آتا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رورو کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئي دولت بھی گئی بیوي بھي گئي اور زر بھي گیا

خامشي سے نہ تعلق ھے نہ تمکین کا ذوق
اب حسینوں میں بھي پاتا ھوں میں اسپیچ کا شوق

تعلیم کي خرابي سے ھوگئي بالاخر
شوھر پرست بیوي پبلک پسند لیڈي

ترقی کي تپیں ھم پر چڑھا کیں
گھٹا کي دولت اسپیچیں بڑھاکیں
رھیں ھر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکي کو سنوارا
کچھہ جوڑ تو اُن میں کے ھوے بال میں رقصاں
باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بیرا وہ بنا کمپ میں ، یہ بن گئیں آیا
بي‌بي نہ رھیں جب تو میاں پن بھی سدھارا

دونوں جو کبھي ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ
آغاز سے بدتر ہے یہ انجام ہمارا

اُٹھ گئے وہ جنھیں مقدور تھا خود داري کا
نہ وہ تقوی نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کي اُمید
ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں
شرم مشرق کے عدو ' شیوۂ مغرب کے شہید !!

دو اسے شوہر و اطفال کي خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

شیخ صاحب ہي کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید

باپ ماں سے ' شیخ سے ' اللہ سے کیا اُن کو کام
ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دي سرکار نے

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر
دنیا بگڑ رہي ہے اب یا سنور رہي ہے
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر کیسي گزر رہي ہے
دل میں خوشي بہت ہے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہي ہے

اک علم تو ہے بت بننے کا ' اک علم ہے حق کے پڑھنے کا
اُس علم کی سب دیتے ہیں سند ' اس علم میں ماہر کون کرے
جب علم ہی عاشق دنیا ہو ' پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ہوں فدا ' تائید مسافر کون کرے
سودا بھی رنگ طبع بشر ' فطرت ہی میں ہیں اسباب جنوں
اکبر کو بھی ہوش آجائے تو پھر ' اس کام کو آخر کون کرے

تعلیم جو دیجاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ہمکو
دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو پریڈ پر
تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اُس کی زندگی اخبار میں
شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں ' شیخ جی دربار میں

مذہب ہے امر قولی سمجھو نہ فعل ذاتی
معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتی

شیخ جی کی نظر میں مَیں ہوں فقط
میری نظروں میں ساری دنیا ہے
بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر
مجھکو حیرت ہے اُن کو غصہ ہے

یہی فضائل یہی طبیعت ' رہی تو قسمت یہی رہیگی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا، ہماری حالت یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے، تو ذکر عصیانِ غیر کا کیا
عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی

عبث ہے نظام بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسن مُدعا کا
حدیث عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

رہتا بہت ہے شوق دلیل اور قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

ایک دن اور قیامت بھی کھسک آئیگی
اور کیا عرض کروں آپ سے، کل کیا ہوگا

روش ذہن بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے ' عقل ' عنصر سب کے سب آپسمیں لڑتے ہیں

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہوگئے
داستان بدر والے شیعہ سنی ہوگئے

اکبر اپنے رنگ میں منفرد رہے ' اُن کے رنگ میں بعض لوگوں نے لکھنے کی کوشش کی ' لیکن اتنے بھی کامیاب نہ ہوئے ' جتنا مولانا ابوالکلام اور حسن نظامی صاحبان کے بعض متبع - حقیقت یہ ہے کہ آزاد (محمد حسین) ابو الکلام اور حسن نظامی کا طرز انشاء اُن کی ذات ہے ' صفت نہیں ' یہی معاملہ اکبر کے ساتھہ ہے - جس طرح دنیا میں ایک طرح کی دو ذات یا انفرادیت نہیں ہوتی اسی طور پر اُردو ادب میں ان بزرگوں کا جواب نہیں پیدا ہوا ' ممکن ہے ایسا ہونا ناممکن بھی ہو - یوں کہنے کو آزاد کے متبع آغا طاہر ' ابوالکلام کے عبدالرزاق ملیح آبادی اور حسن نظامی کے ظہور احمد وحشی کھینچ تان کر قرار دئے جاتے ہیں' لیکن "مولوی مدن" کی ڈاڑھی کا جواب کب نظر آیا - یہاں اس کہنے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اُن کا طرز انشا خامیوں سے پاک ہے ' لیکن مشکل یہ ہے کہ ان خامیوں کا بھی کہیں صحیح چربہ میسر نہیں آتا - مثلاً آزاد کبھی کبھی معنی اور مفہوم کی ذمہ داری یا الجھیڑوں سے بچنے کے لئے الفاظ یا فقروں کی بازیگری شروع کر دیتے ہیں - مولانا ابوالکلام انہیں الفاظ اور

فقروں کو الوھیت اور نبوت کا جامہ پہنا دیتے ھیں اور سامع یا قاري کا ذھن اور دماغ پرسش کے بجائے پرستش کی طرف مائل ھو جاتا ھے۔ حسن نظامي اپنے الفاظ سے کبھي بچے معلوم ھونے لگتے ھیں اور کبھي مجذوب یا پھر ایسي رعایت لفظی پر اُتر آتے ھیں جو اکثر نعمت خان عالی کو بھي سر بگریباں کرنے پر مجبور کر دیتي ھے۔ با ایںھمہ یہ لوگ موجودہ اُردو ادب میں ایسي قوت رکھتے ھیں جو کم لوگوں کے حصہ میں آئي ھے۔

خواجہ حسن نظامي صاحب ایک جگھہ فرماتے ھیں —

"نثر میں سب سے بہتر ظرافت لکھنے والے مولوی محفوظ علي صاحب بی۔ اے۔ ساکن بدایون ھیں۔ اُن سے زیادہ نیچرل اور بے ساختہ چلبلي اور از سر تا پا مرصع ظرافت کوئي نہیں لکھتا یا میرے علم میں نہیں ھے .... ان کے بعد بمبوق اور مسٹر شوکت علي کا نمبر ھے۔ مسٹر ظفر علي خاں کو بھي مذاقیہ مضامین کا خاص ملکہ ھے، مگر میں اُن کو ایک دوسرے فن کے اعتبار سے اول درجہ دوں گا یعني وہ کسي کی ھجو کرنے میں ایسا کمال رکھتے ھیں جس کي مثال اُردو نویسوں میں سوائے مرزا حیرت کے اور کہیں نہیں ھے۔ اگرچہ میں مرزا حیرت کو فوقیت دیتا ھوں کیونکہ وہ آسان اور نہایت میٹھی زبان میں ھجو کرتے ھیں اور ظفر علي خاں ادق اور مشکل عبارت میں"۔

پنچ کے دور کے بعد جس نے سب سے پہلے "پنچانہ رنگ" کو ترک کرکے "اسپکٹیٹر" (The Spectator) سے قریب ھونے کی کامیاب اور مستحسن کوشش کي ھے اس میں سید محفوظ علي صاحب بدایوني، سلطان حیدر جوش، بمبوق یا اولڈ بوائے کے کھلنڈرے تھے ھمدرد (دھلي) کے ابتدائي دور میں "تجاھل عامیانہ" کے ماتحت جیسے دلکش اور زعفران زار مضامین نکلے ھیں وہ تقریباً سب کے

سب سید محفوظ علي صاحب کے قلم کے رهین منت تھے - اس سلسلۂ مضامین میں بمبوق مرحوم اور محمد فاروق صاحب ایم - ایس - سي - (علیگ) المعروف به "حاجي صاحب" کا نام بھی لیا جا سکتا ھے -

بعض دیگر انشا پردازوں کے مضامین کے خلاف سید محفوظ علیصاحب کا ھر لفظ کانٹے کا تلا معلوم ھوتا ھے اور وہ جو کچھہ کہنا چاھتے ھیں ' ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس کی حقیر ترین جزئیات پر بھي اُن کو عبور ھے - اُن کا طرز بیان ' اور انتخاب الفاظ اپنے اندر بہت سي گہرائیاں لئے ھوتا ھے - لیکن یہاں راقم السطور کو یہ کہنے میں بھي تامل نہیں ھے کہ سید صاحب رعایت لفظي کی گمراھیوں میں اکثر اسیر نظر آتے ھیں ' یہي رعایت لفظی اکثر ان کو تمثیلیہ (Allegory) کے پھندوں میں اُلجھا دیتي ھے - رعایت لفظی کا آرٹ بے حد نازک ھے - اس کے یہ معنے نہیں کہ سید صاحب اس آرٹ کے لطف اور نزاکتوں سے بے بہرہ یا بے خبر ھیں - اُن کي قابلیت علمي اور ذوق صحیح اس قسم کي بد گمانیوں سے کہیں ارفع ھے - ممکن ھے وہ اس کو اتنا اھم نہ سمجھتے ھوں!

ھاں تو کہنا یہ تھا کہ رعایت لفظي کا آرٹ حد درجہ نازک ھے - اگر پڑھنے والے کو یہ محسوس ھوگیا کہ مضمون نویس نے صرف رعایت لفظی ملحوظ رکھی ھے یا یہ معلوم ھوگیا کہ محض ایک لفظ یا فقرہ کو نباھنے کے لئے پہلے یا بعد میں بے شمار الفاظ یا فقرے لکھنے پڑے تو میرا خیال ھے اس سے ایک طرف پڑھنے والے کا ذوق سلیم مجروح ھوتا ھے اور دوسري طرف لکھنے والے کي توھین ھوتي ھے - رعایت لفظي کا کمال اس کي انتہائي بے ساختگی ھے' یہ کبھي نہ معلوم ھو کہ الفاظ کا استعمال صرف

الفاظ کے لئے کیا گیا ہے - اس میں شک نہیں ابھی ہماری سوسائٹی کے افراد جو تعلیم یافتہ ' روشن خیال اور صاحب ذوق بھی کہے جاتے ہیں ' ضلع جگت یا رعایت لفظی پر سر دھننے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور یہ لکھنے والے کا اچھا خاصہ انعام ہے - لیکن میرا خیال ہے اور خود سید صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ہوگا کہ ایک اچھے لکھنے والے کا مخاطب صحیح شاعر ہوتا ہے ' مشاعرہ نہیں !

سید صاحب نے مضامین میں کبھی اپنا اصلی نام نہیں ظاہر کیا اور ایسا کیا بھی تو محض شاذ و نادر ' وہ ہمیشہ "انداز قد" سے پہچانے گئے اور یہی سبب ہے کہ ان کے مضامین کی فراہمی میں غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا - راقم‌السطور مولانا ظفرالملک علوی صاحب قبلہ کا سپاسگزار ہے کہ ان کی وساطت سے مضامین کے کچھہ اجزا ہاتھہ آگئے جن کا جستہ جستہ اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے :-

صاحب دین :-

"..........محققین عام (چاہے وہ قدیم نظامات ارسطا طالیہ و فیثا غورثیہ سے تعلق رکھتے ہوں ' یا اسکولات ہکسلیہ و ڈارونیہ سے) اس امر پر متفق ہیں کہ صاحب دین نوعی اعتبار سے حیوان ناطق کی ایک مضمحل سی شاخ ہے........صاحب دین نے ہوش سنبھالتے ہی ایک نظر میں تاڑ لیا کہ قدیم تہذیب و تمدن کا بوسیدہ ڈھانچ کلیۃً پھونکدینے کے قابل ہے - چنانچہ وہ اس کا قایل نہیں کہ اولاد پر والدین کے کچھہ حقوق ہوتے ہیں - اس کی نظر میں یہ محض اتفاق ہے کہ باپ باپ واقع ہوا ہے ورنہ ہوسکتا تھا کہ وہ باپ ہو -

وہ زیادہ سے زیادہ "پیارے باپ" کا مستحق ہے اور اگر زیادہ ترقی کی گنجائش ہو تو "وہ بڈھا بیوقوف" کافی ہے - بھائی ایک رقیب ہے جسکے مقابلہ میں اپنے حقوق کا تحفظ لازمی و لا بدی ہے - اصلی عزت و عظمت کی مستحق زوجہ ہے نہ کہ ماں........

جسطرح ہمارے یونانی اطبا نے آلو - انڈے - دہی اور دنیا بھر کے کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج نکال لیا ہے اور درجہ قائم کرکے یہہ قرار دیدیا ہے کہ کون چیز کس درجہ میں گرم ہے اور کسدرجہ میں سرد - کسدرجہ تر ہے اور کسدرجہ خشک ' معلوم نہیں اسیطرح صاحب دین کو بھی اشیاء ماکول میں سمجھکر کسی طبیب نے اسکا مزاج بھی نکالا ہے یا نہیں - اگر نہیں تو اس فرو گذاشت پر افسوس کرتے ہوے فقیر اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے کہ میرے تجربہ میں صاحب دین ایک مختلف المزاج و الکیفیت چیز ہے - تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک صاحب دین کا مزاج کسی دوسرے صاحب دین کے ساتھہ تو ہمیشہ گرم تر رہتا ہے مگر غیر صاحب دین کے ساتھہ سرد خشک اور غمہ اور ریل کے سفر کی حالت میں گرم خشک ہوجاتا ہے اسیطرح کسی دوسرے صاحب دین کے لئے چاہے وہ فہرست چندہ لے کر آئے یا دعوت چائے ' ایک صاحب دین ہمیشہ سریع الفہم ہے مگر غیر صاحب دین کیلئے چاہے وہ خفیف سی خفیف درخواست ہی لے کر آئے وہ نہایت بطی الفہم ہے........"

انگلستان پلت[1] صاحب دین کو لندن سے ناگفتہ بہ محبت ہے - اپنے

---

۱ - "انگلینڈ ریٹرنڈ" (England returned) کیلئے انگلستان پلت سے بہتر لفظ مجھے نہیں ملسکا اسلئے میں انجمن ترقی اُردو سے عموماً اور مولانا وحیدالدین صاحب سلیم سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس لفظ کو وہ اپنے آغوش استعمال میں لے لیں - اس لفظ میں حالت مفعولی کے علاوہ حالت فاعلی کا بھی پہلو نکلتا ہے - چنانچہ سال پلت کے ساتھہ ہی کایا پلت بھی ملحوظ رہے " -

قیام لندن کے واقعات کو بیان کرتے وقت اسکی زبان سے غیر معمولی طلاقت؛ اسکي آنکھوں سے غیر معمولی چمک، اور اسکے چھرہ سے غیر معمولي مسرت آمیز حسرت یا حسرت آمیز مسرت برسنے لگتی ھے اور آخر کار وہ بے تاب ہوکر کہہ اتھتا ھے " پیارے پیارے اولڈ لنڈن ' کسقدر میں چاھتا ھوں کہ تیري آغوش میں جان دوں " عشاق کا اپنے محبوب کے قدموں (یا ذرا گستاخي سے کام لے کر) اس کے آغوش میں جان دینا تو دیوانوں کا پامال مضمون ھے۔مگر صاحب دین کي اس تمنا میں ایک خاص نکتہ یہ ھے کہ وہ اگرچہ معاد کا قایل نہیں ھے اور اسے یقین ھے کہ ثواب و عذاب، حشر و نشر اور حیات بعدالموت مذھب کي سخن سرائي ھے لیکن آخر وہ مشرقي ھے ' بچپن کي بات کان میں پڑي دل سے مشکل سے نکلتي ھے ,اسلئے ڈرتا ھے کہ مبادا مشرق میں یہ باتیں سچي ھوں اور یہاں سے جانے والوں کیلئے وھاں روک توک اور قرنطینہ ھوتا ھو - مگر لنڈن والوں نے راہ اور مقامات کے موانعات صاف کر لئے ھونگے وھاں کي معرفت جانے والوں سے فرشتے تعرض نکریں گے - یوں تو ھر صاحب دین کا ایک ھي مذھب ھے یعني یہ کہ مذھب قابل اعتنا نہیں لیکن عموماً دو گروہ ھیں - ایک وہ جنھوں نے بچپن میں پائجامہ پہنا ھے اور ایک وہ جنھوں نے دھوتي باندھي ھے - اب دونوں گروھوں میں سے جو صاحبدین کونسل یا میونسپلٹی کا ممبر ھوجائے تو پاجامہ اور دھوتي میں آویزش رکھنا وہ سب سے بڑي مذھبي خدمت سمجھتا ھے - چنانچہ کونسل یا میونسپلٹي میں اس قسم کے سوالات صرف اُنھي کي ذات سے مذھب کي اعانت کا باعث ھوتے ھیں :-

۱ - کیا گورنمنٹ مہرباني کر کے بتائیگي کہ فلاں محکمہ کے چپراسیوں کي تعداد اسکے ھم مذھب افراد کي مردم شماري کے تناسب سے کیوں کم ھے ؟

۱ ۔ میونسپل بورڈ نے اس سال جو نابدان بنائے ہیں انمیں سے اسکے ہم مذہب افراد کے ایک محلہ کی نالی ہے چند نیم پختہ اینٹیں لگانے سے اسکی ہم مذہب سکنا ء ' محلہ کی بڑی حق تلفی ہوئی ہے ۔ بورڈ کو چاہئے کہ وہ اینٹیں نکلوا کر سرخ پختہ اینٹیں لگوا دے ۔

شیخ سماءاللہ کی صاحبزادیاں :۔

" یہ جو پان کھائے آنکھوں میں سرمہ' دانتوں میں مسّی' اور ہاتھوں میں مہندی لگائے' ڈھیلا ڈھالا کرتہ پائجامہ پہنے' ہلکا دھانی ڈوپٹہ اوڑھے قطب کو پیٹھ کئے تکیہ لگائے بیٹھی ہیں آسیہ بیگم ہیں جو عمر و تجربہ کے اعتبار سے' چال ڈھال کے اعتبار سے' شکل صورت کے اعتبار سے' قدوقامت کے اعتبار سےسب میں بڑی ہیں اور اسی لئے سب بہنیں انہیں بڑی آپا کہتی ہیں ۔ قیافہ بتا رہا ہے کہ بچپن اور جوانی کے دوپن عیش و آرام اور مسرت و اطمینان سے گزرے ہیں' تیسرا پن یعنی بڑھاپا آیا تو آلام و افکار کو ساتھ لایا' جنہوں نے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا ۔ مگر ضبط کہتا ہے" خبردار جو ایک حرف بھی زبان سے نکلا " چنانچہ آفریں ہے اس کوہ وقار کو کہ چھاتی کے کواڑ بند کئے دل میں حسرتیں اور مُنھہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھی ہیں ۔ مجال کیا جو دل کا ترجمان زبان کو بنائے ۔ آسیہ بیگم کے داہنے ہاتھہ پر جو سیہ فام خاتون آدھی ساری باندھے آدھی اوڑھے' سر کے جھلسے اور اینٹھے ہوئے بالوں میں کوڑیوں اور جھوٹے موتیوں کی لڑیاں لٹکائے' گلے میں کہربا کے دانوں کی مالائیں' ہاتھوں میں عاج کی چوڑیاں اور پاؤں میں چپلیں پہنے بیٹھی ہیں اور جو سب میں زیادہ مفلوک الحال اور شکستہ بال معلوم ہوتی ہیں آفری خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو افری افری کہتی ہیں مگر باقی اور بہنیں سانولی آپا کہکر پکارتی ہیں آفری خانم کے داہنے ہاتھہ کو جو دھاری دار سایہ پہنے ٹوپ اوڑھے عینک لگائے ناک بھوں چڑھائے سب سے زیادہ متین یا مغرور مگر یقیناً سب سے

زیادہ متسول الگ بیٹھی بلکہ لیٹی ھیں یہ امری خانم ھیں جنھیں آسیہ بیگم تو امری اور باقی بہنیں نئی باجی کہکر پکارتی ھیں۔ آسیہ بیگم اور افری خانم کے سامنے اور امری خانم کی طرف منھہ کئے جو نیم مشرقی نیم مغربی وضع بنائے ننگے پاؤں ساری باندھے چھوٹا کوٹ پہنے کالر لگائے ٹوپ اوڑھے بیٹھی ھیں "یہ برعکس نہند نام زنگی کافور" حسینہ بیگم ھیں لیکن پانچویں جو یقیناً سب سے چھوٹی ھیں آسیہ بیگم کے داھنے ھاتھہ سے کچھہ فاصلہ پر مغرب کی جانب افری خانم کے پیٹھہ پیچھے کھڑی ھوئی ھیں۔۔۔۔۔۔۔روپا بیگم ھیں "

اسکی فرھنگ بقول سید صاحب "برخوردار طولعمرہ" نے یوں پیش کردی، ایشیا سب سے بڑا براعظم ھے، افریقہ ایشیا سے مغرب کی طرف ھے اسے تاریک براعظم کہتے ھیں ' امریکہ سنہ ۱۴۹۲ ع میں دریافت ھوا اس لئے نئی دنیا کہلاتا ھے اوشنیا ایشیاء کے جنوب و مشرق میں واقع ھے - یورپ سب سے چھوٹا بر اعظم ھے ۱ "

اروپا :۔ بڑی آپا سلام ۔

آسیہ :۔ جیتی رھو ٹھنڈی سہاگن' دعا دینے کو تھی کہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔ مگر درخواست سے پہلے ھی منظوری کا اثر دیکھہ رھی ھوں ۔ خود نہانا تو کوئی بات نہیں تم دودھہ سے دوسروں تک کو نہلوا رھی ھو* ماشاء اللہ وہ کثرت ھے کہ گاڑیوں میں بند ھو ھوکر ایرا غیرا کے گھر پہونچ رھا ھے - پوتوں کی یہ کیفیت (بھئی برا مت مانیو میں ھونستی نہیں اور تمھاری سگی بہن ھوکر بھانجوں کو ھونسوں تو مجھہ خالہ پر تف ھے) اپنے گھر کا

---

* ملک ھو ' ملک سوپ ، یعنی دودھہ کا صابن !

تو ذکر کیا دوسروں کے گھروں میں ایسے پھل رہے ہیں
جیسے کڑوی تومڑی -

روپا :- یہ سب آپ بزرگوں کی دعا کا اثر ہے -

آسیہ :- کہو بہن برطو ، فرسو ، سلفو ، املو کہاں تک نام لوں
سب بچے بچی اچھے ہیں -

روپا :- جی ہاں سب اچھے ہیں -

آسیہ :- برطو بیچارہ تو بڑا گڈو ہے - فرسو بانکا چھیلا ہے
سلفو متافیل ہے......سنا ہے گھنّا ہے ، املو کو میں نے
عرصہ سے نہیں دیکھا ہے پچھلے دفعہ جب تم لیکر آئی
تھیں تب تو بڑا شریر اور چلبلا تھا....ہونہار اور
چونچال ایسا تھا کہ دولے کو پچھاڑے -

روپا :- جی ہاں ، ابتو بڑا ہوگیا ہے ، جھگڑالو بہت ہے ، بھائیوں کو
چین نہیں لینے دیتا ، آپنے برطو ، فرسو ، سلفو کو تو
ایسا ہلا لیا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے پاس بیٹھے
رہتے ہیں - میں بہتیرا بلواتی پکڑواتی ہوں مگر آپ
کا گھر ایسا بھایا ہے کہ ہتنے اور تلنے کا نام ہی
نہیں لیتے -

آسیہ :- اے ہے تلنا کیسا ، آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک ، ماں
اور خالہ میں فرق ہی کیا ہوتا ہے - سنا نہیں
"ماں مرے ماسی جئے" ہاں اتنی بات ضرور ہے
کہ تمہارے یہاں کا سا عیش مجھہ غریب کے گھر کہاں -

روپا :- آپا ! برا نہ مانو تو کہوں -

آسیہ :- شوق سے کہو بڈھوں کے اچھا برا ماننے کی پروا جوان
نہیں کیا کرتے -

روپا :۔ آپ کے گھر میں اسقدر غربت نہیں جسقدر بدتمیزي'
پھوھڑپن اور گھلون پن ھے ۔ کسیکو کھانے کا سلیقه نہیں'
پہلنے کي تمیز نہیں' انتظام کي عقل نہیں'
آسیه :۔ (آہ سرد بھر کر) ھاں بہن سچ کہا' خدا کي شان' کبھي
ھم ھي آس پڑوس میں تمیز والے سمجھے جاتے تھے'
سینا پرونا ھم جانتے تھے' کھانا' کھانا پکانا ھم جانتے
تھے' آج پھوھڑ ھم' بد تمیز ھم' گندے ھم' گھلونے ھم'
مگر اسکي وجه جانتي ھو' آیا پیسه آئی مت'
گیا پیسه گئي مت ۔ گانٹھه میں دام تو سب کریں سلام''

موجودہ دور میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادي'
مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا ظفر علي خاں اور قاضي عبدالغفار'
طنزیات میں ید طولیٰ رکھتے ھیں ھر ایک کا نشانه طنز' انگریز'
انگریزی حکومت اور انگریزیت ھے ۔ علحدہ علحدہ ان کے کلام
اور مضامین پر اظہار خیال کرنا طوالت کا باعث ھوگا ۔ راقم‌السطور
کا خیال ھے کہ ان کے تمامتر مضامین یا مسالک کا خلاصه یه ھے ۔

مولانا عبدالماجد کي طنز میں تلخي اور زھرناکي کا عنصر
غالب ھے اور ان سب پر بقول سید سلیمان ندوي صاحب "مولویت"
طاری ھے ۔ ان کي طنزیات پوپ کي طنزیات کا نمونه ھیں ۔ یه
اُردو کے لینگلینڈ بھي قرار دئے جاسکتے ھیں جن کو جماعت کے
موجودہ اور مقررہ نظام میں عافیت اور جمعیت کا کوئي شائبۂ
نظر نہیں آتا ۔ برخلاف اس کے ظفر علي خاں ھیں جن کے ھاں
شدت ھے' لیکن زھرناکی کا گزر نہیں ۔ ظفر علي خاں کي طنز میں
عملاً قوت اور بیداري پائي جاتي ھے ۔ ان کي تحریروں سے پته
چلتا ھے کہ وہ اپني طنز کو منوا بھي سکتے ھیں ۔ ان کے یہاں

بد دعائیں یا عذاب الہم کي "بشارتیں" نہیں ملیں گی - وہ "تپش" کے قائل ہیں "تپشیا" کے نہیں، یہي کیفیت ابوالکلام کي ہے - لیکن ظفر علي خاں اور ابوالکلام جہاں ایک دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں وہ بھي نمایاں ہے - ابوالکلام کي مثال اس پہلوان کي ہے جو وسط میدان جنگ میں "مبارز طلب" ہو اور دوسروں کا نہیں بلکہ اپنے رجز سے خود اپنا دل بڑھا رہا ہو - ظفر علي خاں صرف "آرڈننس شکني" پر آمادہ نظر آتے ہیں - ان کي رجز میں تھوڑا سا حسن طلب بھي ہوتا ہے اور یہ طلب ممکن ہے کبھي اپنے ھي اعوان و انصار سے ہو پھر غیر موجود یا غیبي طاقتوں سے - وہ دوسروں کو آمادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اپني آمادگي سے بحث نہیں - تیسري طرف قاضي عبدالغفار ہیں - ان کی طنز ایک حد تک "ڈرائنگ روم" کی طنز ہے - نہایت نازک، نہایت ستھري، نہایت حسین، تیز چمکتي ہوئی، جیسے کسي ماہر فن کے ہاتھہ میں عمل جراحی کے لئے ایک نشتر ہو! ان کي طنز ایک طور پر کتابي طنز ہے، پڑھئے اور انشا پرداز کو داد دے لیجئے-نہ ڈرنے کي ضرورت ہے اور نہ کسي آمادگی کي حاجت!

ان تمام خیالات کو اور مختصر کیا جاسکتا ہے مثلاً مولانا ماجد، اصلاح سے مایوس، ابوالکلام اصلاح سے بے نیاز، ظفر علي خاں آمادۂ اصلاح، قاضی عبدالغفار ان سب کے حد اوسط!!

مولانا عبدالماجد صاحب بي، اے، دریابادي

ماخوذ از "سفر حجاز"

"بمبئي ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجي" شہر ہے، لندن اور پیرس، نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوے ہیں وہ اُنکا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئي میں دیکھہ سکتے ہیں -

ویسي هي هر طرف آسمان سے باتیں کرنیوالي اونچي اونچي عمارتیں ' وهی روپیه کي گرم بازاري' وهي دوکانداري میں انہماک' وهی عیش کي فراواني' وهی چسنتي او نفس پرستی' وهي برق و دخان کي پرستاری' وهي ملوں انجنوں اور کارخانوں کا زور' وهي ریل تریم اور موٹر کاروں کا شور' وهي صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے هوے شور مچاتے اور دھواں اُڑاتے' ڈھکیلتے اور کچلتے هوے یاجوج کي بے چینی اور بے قراري' بھاگ دوڑ' شور وغل' چیخ پکار' شورش و اضطراب' دن کو چین نه رات کو سکون' اور اسی کا نام اس دور یاجوجي میں "ترقی" و "تہذیب" هے - حیرت صرف اسپر هے که اس غلبه یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کي مسجدیں کیونکر اسقدر آباد و پر رونق هیں اور اتنے نمازي اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے هیں "

"....آج یه مہیب اور لق و دق سمندر' اور کرهٔ ارض کے سارے معلوم سمندر' یا جوج کے قبضه میں هیں وهجسےچاهے اسمیں جہاز اور کشتي چلانے کي اجازت دے اور جب جسکو چاهے الله کی کاریگري کے اس نادر نمونه سے فائده اُٹھانے سے روک دے! خلق خدا کي هو تو هو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاه ' جہاز اور اُنکے پھریرے ' محکمه بحري اور خداوندان بحر ' تارپیڈو اور ڈرڈنات ' کروزر اور ڈسٹرائر ' آج هانکے پکارے کہه رهے هیں که امر ' اور ' حکم ' (نعوذبالله) یاجوج کا هے - پھر اگر ایسي حالت میں آپ کسي سچے کا قول سنتے هیں که " یاجوج و ماجوج سمندر کا پانی پي جائینگے " تو آپ اس پیشینگوئي کے پوري هونے کے لئے کسی زمانه مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے هیں " -

"......ایک روز یه سارا بحراعظم یا سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے هوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے هوئے شعلوں اور

دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا - یہ دن وہ ہوگا جب یاجوج اپنے مایہ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں ' اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے ' لنکا کے راون کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا - اور جب اسکی حرص و ہوس اسکی ملک گیری اور زرپرستی' قیصریت (امپریل ازم) اور کپٹل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہونگے ! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد ربانی و اذالبحار سجرت کی تفسیر و تاویل کے لئے نہ تفسیر کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی نے اہل لغت کے کلام سے سند لانے کی بلکہ عالم و عامی سب اپنے آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ کرلینگے - آج یاجوج کو مہلت ہے آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور دماغوں کو ہماری عقلوں اور ذہنوں کو' ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال و حشم سے اپنی تہذیب اور تعلیم سے ' اپنے علوم اور اپنے فنون سے ' اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجینئروں سے ' اپنی سائنس اور اپنے آرٹ سے اپنی توپوں اور اپنی رائفلوں سے ' اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے ' اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرلے لیکن یہ مہلت سدا رہنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ اُٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہو "

"......دعا کے الفاظ بہتوں نے دھرائے ہونگے - خدا معلوم کسی کے دل سے ان قوموں کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ہجری میں کعبہ اور رب‌کعبہ کی

عداوت میں اُس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کیسی بڑھی ہوئی ہیں ' جنکی جلدیں سفید ہیں مگر جن کے دل عداوت حرم میں حبشہ اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرھہ کے ھاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں ہوائی جہازوں اور مسلح موٹرکاروں پر دعوی اور غرہ ہے ؟ "

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں خطیبانہ جوش و ہیجان ہے اس باب خاص میں اُن کا مسلک جوونل سے ملتا جلتا ہے - اُنہوں نے طنزیات میں خطابت کا نہایت شاندار ' پرزور اور حیات‌آفرین نمونہ پیش کیا ہے - اُن کی تحریر فن انشا و ادب میں ڈرامہ کی حیثیت رکھتی ہے ' ہر لفظ ' فقرہ یا خیال ایکٹر معلوم ہوتا ہے جس میں قوت بھی ہے اور حرکت بھی ' نمونہ حسب ذیل ہے -

" بے شک مدتوں کے بعد بلند توتے جس کو کفر کہا تھا اُس کے ثواب و طاعت ہونے کا فتوی دینا پڑا - لیکن کیونکر اپنی قوت سے ' اپنے دماغ سے ' اپنی ہستی اور اپنی روح سے ' یہ نہیں بلکہ ' ع -

ایں ہم بسعی غمزۂ مردم شکار دوست !

پہلے جن کے حکم سے گمنامی کے غاروں میں چھپے تھے اب اُنہیں کے حکم سے باھر نکلے تاکہ مندر میں جاکر اُن کے آگے سر بسجود ہوں - بے شک شملہ ڈیپوٹیشن کے تماشہ کے بعد اُس کا آخری پارٹ کھیلا گیا اور اُس کا نام لیگ رکھا گیا - لیکن اگر تم ایک برف‌خانہ بناکر اُس کا نام آتشکدہ رکھدوگے تو کیا برف کی سل آگ کا انگارہ ہو جائے گی..........پالٹیکس ایک

آگ ھے جو خود بھڑکتی ھے اور پھر بھڑکائی جاتی ھے ' وہ برف کا گلاس نہیں ھے جو کسی سرد مہر ساقی کی بخشش پر موقوف ھو.........ھندو مسلمان کا سوال بھی ایک بازیگر کا کھیل ھے اور بدبختی سے ناچنے والے ناچ رھے ھیں' فوج میں پھوٹ پڑ گئی ھے اور غنیم مطمئن ھے - یہ خیال کہ تم نے ابھی تعلیم میں نہیں ترقی کی ھے اِس لئے تمھاری پالٹیکس یہی ھے کہ پہلے ھندؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو' غور کرو حریف شاطر کی کس قیامت کی چال تھی -

وہ رھزن اور پھر ایسے کمین سے ؟؟ !

" سب سے پہلے یہ ھوا کہ ملک میں کام کرنیوالی اصلی جماعت یعنے ھندوؤں سے مسلمان علحدہ ھوگئے اور اس طرح عرصہ تک کے لئے ملکی مطالبات کی فتحیابی سے گورنمنٹ مطمئن ھوگئی ساتھہ ھی اسکے یہ بھی ضرورت تھی کہ ان کو بےکار نہیں رھنا چاھیے ورنہ بے کاری سے اُکتاکر راستہ کی تلاش میں ضرور نکلیں گے - کوئی مشغلہ ایسا ھونا چاھیے - جو عرصہ تک انکو اپنے میں الجھائے رکھے اور اصلی کاموں کی طرف متوجہ ھونے کی فرصت نہ دے - تعلیم کو مسلمان پہلے سے تجے بیٹھے تھے (اور یہ خیال فی نفسہ غلط نہ تھا) اسلئے اسی اعلیٰ تعلیم کے بال و پر کو پھیلا کر ایک ایسا الف لیلہ کا عجیب اُلخلقت پرند بنا دیا جو اپنے پروں کو کھولدے تو سورج کو زمین کی طرف جھانکنے کے لئے کوئی سوراخ نہ ملے - مسلمانوں نے اس عجیب و غریب مرکب کو براق سمجھا اور یقین کرلیا کہ ھمارے سفر معراج کیلئے آسمانی سواری اتری ھے - چالیس برس گذر گئے اب تک اس مرکب کی لگام ویسی ھی ڈھیلی ھے جیسے پہلے دن تھی اور منزل لامکانی

کا پتہ نہیں - قوم کی وہ قوتیں جو یقیناً زمانہ کے قدرتی اثرات سے متاثر ہوکر ملکی تحریکوں میں صرف ہوتیں تمامتر صرف ایک اعلیٰ تعلیم کے شور و واویلا کے پیچھے مٹادیگئیں اور جبکہ ہم سے ایک دیوار کے فاصلے پر ملک کی جائز آزادی ' ملکی حقوق کے مطالبات ' اعلیٰ قوانین کی ترمیم و تنسیخ ملکی نظم و نسق کے مباحث اور افکار کی سرگرمیوں میں ہمسایوں کے جذبات و امیال صرف ہو رہے تھے ' ہم اپنی کانفرنسوں ' اپنے بڑے بڑے مجمعوں ' اپنی شاندار تقریروں ' اپنے قومی اخباروں کے صفحوں کے اندر صرف ایک افسانہ تعلیم کی سرد لاش اٹھائے پھرتے تھے '' -

---

" لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں ' آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلا نے کی ایسی اشد شدید ابلیسیت تو کسیکو بھی نصیب نہیں ہوئی - زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بہت بدلائے اور اژدھوں نے پھنکاریں ماریں ' مگر نہ تو ایسی درندگی ابھی تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدھا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس تسلے ' نگلنے ' اور چیرنے پھاڑنے کیلئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں - پھر اس اژدھے کو دیکھو جو جنوب سے منھہ کھولے بڑھ رہا ہے ' اس ہاتھی کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بہت سے چنگھاڑتا ہوا اٹھا ہے ' اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سر زمین میں خون اور گوشت کیلئے پلا ہے یہ کیسے عجیب ہیں ! یہ کیسے خوفناک آلات سے ملسمع ہیں ؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرہ ارضی

کا کیسا ھولناک بھونچال ھوگا ' ایسا بھونچال جو کبھی نہیں آیا ' ایسا طوفان جو کبھی نہیں اٹھا - ایسی آتش فشانی جو کبھی نہ ھوئی - اور خداوند کا ایسا غصہ جو اب تک کبھی زمین پر نہ ھوا......پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کی کوئی حد ھوگی ' عجب نہیں کہ مہلت ختم ھوگئی ھو اور کچھہ اچنبھا نہیں اگر ارض الہی کے امن کے لئے ' بندگان خدا کی راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھہ کی نیند سلانے کے لئے انکا خون انھیں کے ھاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے ھاتھوں بہایا اور اسطرح عدالت الہی ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رھے ھیں........ پس یہ ھے اُس مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ھے اور یہ ھے وہ پاک امانت جو " شہزدۂ امن " نے اپنی نسل کو دی تاکہ وہ آسمانی بیٹے کے باپ کہلائیں "

مولانا ظفر علیخاں لاھور -

"......انصاف اور رحم کے جذبات نے اگر جہاں کشا اقوام میں سے ایک آدہ کے سینہ میں پرورش پائی ھو تو یہ فسانہ عہد قدیم کی ایک دل آویز فصل ھے جو صرف ارائش سخن کا کام دے سکتی ھے ورنہ آج انصاف کہاں اور رحم کیسا ؟ یہ دونوں الفاظ تو تہذیب جدید کی لغات میں سرے سے مفقود ھیں یا اگر ھیں تو شرمندہ معنی نہیں - آج دنیا کا نظام حکومت جن اخلاقی قوتوں کی بنیاد پر قائم ھے وہ غرق آھن جہاز ھیں اژدردم توپیں ھیں ' فلک پرواز طیارے ھیں - قطار اندر قطار عسکریوں کی جگر گزار سنگینیں ھیں - صف

اندر صف پولس کی جمعیتہ فرسا لاٹھیاں ہیں جن سے جابرانہ قوانین کی ہیبت زیردستوں کے قلوب میں بٹھائی جاتی ہے.........

ملوکیت کا یہ عفریت لعین جسلے عسکریت کی گود میں پرورش پائی ہے آج ربع مسکوں پر چھایا ہوا ہے اور ناتوانوں کے جسم کی بوٹیاں نوچ نوچ کھا رہا ہے ' مغرب اس خونخوار دیو کا زاد بوم تھا - کاش یہ اپنے ہی وطن میں رہتا مگر اسلے ایشیا کو بھی اپنا گھر بنالیا اور اس وقت مشرق اقصیٰ اسکی جہنمی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے - ۱۸ ستمبر سنہ ۳۱ع کی خونچکاں تاریخ چین کے چالیس کروڑ باشندوں کو مدتوں نہ بھولےگی اس لئے کہ اس‌دن ان کی فوجی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر جاپان کے عسکریت پرستوں نے جن کی نخوت کا سر روس کو نیچا دکھانے کے وقت سے آسمان تک اونچا ہوگیا ہے کسی قسم کا الٹی میٹم دئے بغیر ' کوئی معقول حجت پیش کئے بغیر دفعۃً ایک ہی بے جگرانہ تاخت میں..........اور تمام دوسرے اہم جنگی نقاط پر قبضہ کر لیا اور اس بدعہدانہ یلغار میں قتل و غارت کے ایسے ایسے آدمیت سوز نظارے دنیا کو دکھائے جو زمانۂ قدیم میں یا تو چنگیز اور ہلاکو نے دکھائے تھے یا حال میں یورپ کے سورماؤں نے دکھائے ہیں "۔

" ....زیرسایہ ہمایایہ برطانیہ ہندوستانی ریاستوں کی اندرونی آزادی کی کیسی دلکش تصویر ہے ! والیانِ ریاست ہائے ہند کے ناموس فرمانروائی کی حفاظت کاکیسا شاندار ادعا ہے - مگر یہ ساری دلخوش‌کن باتیں کچھہ حقیقت بھی رکھتی ہیں یا چند الفاظ کا محض ایک نظرفریب مجموعہ ہے جس سے لندن کا

ہزارشیوہ‌مداری والیانِ ریاست ہائےہند کو نظربند کرنا چاہتا ہے !!

ہندوستان میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن ہے جو رقبہ میں فرانس کے برابر ہے ۔ جسمیں خدا کی ایک کروڑ چالیس لاکھہ مخلوق بستی ہے جسنے عہد ماضی میں برطانوی ملوکیت کے قصر فلک بوس کی بنیادیں اپنے خون کے گارے سے ہندوستان میں استوار کیں..........مگر دکن کا ایک پتہ بھی وائسرائے ہند کے حیدرآبادی گماشتہ یعنی رزیڈنٹ کی مرضی بغیر ہل نہیں سکتا دکن کا فرماں‌روا اصف جاہ ہفتم نہیں بلکہ اس وسیع و عریض مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک جناب حیدری ہیں یعنی جناب ترنچ ہیں یعنی جناب رزیڈینٹ ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعنی خود بدولت و اقبال جناب ریمزے مکڈانلڈ ہیں...........اب جنوب سے شمال کی طرف آئے ۔ کشمیر کی ریاست رقبہ میں یورپ کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کو شرماتی ہے جسکی آبادی بلغاریہ کی آبادی کے برابر ہے جسنے انگریزوں کی ملوکیت کے آستانہ پر ہمیشہ سجدہ کیا جسنے اپنی حلیفانہ فرائض کی انجام وہی میں ہر طرح کی مالی اور جانی قربانیاں آئے دن پیش کیں...............کشمیر کا فرماں روا آج مہاراجہ ہری سنگھہ نہیں بلکہ جناب راجہ ہری کشن کول ہیں یعنی جناب گلسنی ہیں یعنی جناب لتمیر ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعنی خود جناب ریمزے میکڈانلڈ ہیں ۔

برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہندوستان کے دیدۂ فراست میں لنڈن کے چوراھے کی خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر جھونکنے

کے بجائے اگر سچی بات خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کیوں نہ ہو کہدیا کریں تو ہمیں کوئی شکوہ نہ ہو غصہ اگر آتا ہے تو اس بات پر کہ زہر دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے شہد سمجھو ' غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہیں مگر اصرار کرتے ہیں کہ اسے آزادی کا گجرا تصور کرو -

کاش حکومت انگریزی کو اپنے قول اور فعل میں تطابق پیدا کرنے کا خیال بھی کبھی آجائے کاش اس کا باطن بھی وہی ہو جو کبھی کبھی اسکا ظاہر ہو جایا کرتا ہے "

" ہنوز دہلی دور است " (از ظفر علی خاں) -

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بیگُلھی چور چور ہے
زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیرالامور ہے
ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے
لکھی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے 'ست بچن' کہیں تو کہیں 'جی حضور' ہے
آپس کی پھوٹ کر کے رہیگی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ ا کب ہمیں اتنا شعورہے
لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دور ہے

اسوقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ تیراہی قصور ہے

فریاد جرس '' :—

کل کہہ رہے تھے ایک محب وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لی گئی آزادئی ضمیر
لیلیٰ کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنہ حق کا تیز بھی خونریز بھی مگر
کچھہ دن سے در خورِ رگ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئی تھی تنگ
زنداں میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز
اور امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
میں نے دیا جواب کہ ہیں یہ گلے فضول
جب سب ہیں عالم اور کوئی عامل نہیں رہا
ہم آپ اپنی راہ کے سنگ گراں بنے
رہرو کو فکر دوری منزل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کی ہوئی رائگاں گئی
اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطف خدائے پاک
ہندوستان کے حال کو شامل نہیں رہا

لیکن یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ اس قسم کی نظموں کی بہترین مثال علامہ شبلی مرحوم کے ہاں ملتی ہے - میرا ذاتی خیال ہے کہ لطیف طنزیہ نظمیں لکھنے کا سہرا

علامہ مرحوم کے سر ہے بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ جہاں تک اس صنف کلام کا تعلق ہے مولانا ظفر علی خاں ، علامہ شبلی کے تنہا اور بہترین متبع ہیں !

علامہ شبلی مرحوم کی بعض نظمیں ہدیہ ناظرین ہیں -

'' سوٹ ایبل ' سلف گورنمنٹ :—

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
تقسیم مشرقی نے عیاں کردیا ہے سب
جو شاہراہ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقعِ نیرنگ ساز ہے
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نہ یہ کہ سوٹ ایبل کی جو شرط ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پُر فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصہ کچھ ترک و تاز ہے
جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے

جب تک ھیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بہم یہ دور "قدم ھائے راز" ھے
احرار سے کہو کہ نہیں کچھہ امید صلح
مٹتا نہیں جو تفرقہ اور امتیاز ھے
آزادي خیال پہ تمکو ھے گر غرور
تو لیگ کو بھي شان غلامی پہ ناز ھے

مسلم لیگ :—

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلي ھاتھہ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باانداز دگر
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسلئے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ھمکو مفر
اک ذراسي مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ھے
جس سے ھیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
یعني وہ سلف گورنمنٹ کہ ھو سوٹ ایبل
یا کہ موزوں و مناسب ھو باالفاظ دگر
جب کبھي کوئی بھی تحریک سیاسی ھوگي
آپ اسي قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھي ھیں جادۂ مقصد کے وھي نقش قدم
اب بھي اوراق سیاست کا وھي ھے مسطر
یہ وھي لفظ ھے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وھي لفظ ھے سرمایہ صد گونہ ضرر
آپ ھر بار جو بڑہ بڑہ کے پلٹ آتے ھیں
ھے اسي شیوہ تعلیم غلامی کا اثر

ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
جب کہیں بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اسپر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

لیگ کی عظمت و جبروت سے اِنکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مےآشام بھی ہے
فیض اس کا ہے بہ اندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے درد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجع خاص بھی ہے قبلہ گہِ عام بھی ہے
پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نو جوانوں کو صلائے طمعٔ خام بھی ہے
رہنمایان نو آموز کا ہے مکتب درس
زینۂ فخر و نمائش گری عام بھی ہے
جن مہمّات میں درکار ہے ایثار نفوس
ان میں طرز عملِ بوسۂ و پیغام بھی ہے
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادم حکّامِ بھی ہے

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھي ملک سے بھي
جس طرح ' صرف ' میں ایک قاعدہ ادغام بھي ہے
اس کے آفس میں بھي ہر طرح کا سامان ہے درست
ورقِ سادہ بھي ہے کلک خوش اندام بھي ہے
چند بی اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقہ خدّام بھي ہے
ہو جو تعطیل میں تفریح سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھي ہے
یہ تو سب کچھ ہے' مگر ایک گذارش ہے حضور
گر چہ یہ سوء ادب بھي ہے اور ابرام بھي ہے
مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئي کام بھی ہے !

مسلم یونیورسٹي :—

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے
ہم تو ازل سے حلقہ بگوش نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیر قدم پائمال ہے
ہم نے تو وہ ثنا و صفت کي حضور کي
جو خاص شیوۂ صفت ذوالجلال ہے
آیا کبھي نہ حرفِ تمنا زبان پر
یہانتک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
اُردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبیں پر عرق انفعال ہے

دامن غبار حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیض خاص رہبر دیرینہ سال ہے
آیا جو حرّیت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوش جنوں کا وبال ہے
اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگان خاص
گو صحبت عوام میں کچھہ قیل و قال ہے
گردن جھکی ہوئی ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھہ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے
یعنی یہ پھیل کر نہ زمانہ کو گھیر لے
اب تک جو مختصر یہ علی گڑہ کا جال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں گے اور بھی کچھہ عرض حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسہ
وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے

قاضی عبدالغفار صاحب مرادآباد :—
(ماخوذ از نقش فرنگ) -
" ....جب تخیل کی پستی کا یہ عالم ہو اور نظر

اسقدر محدود ہو کہ پی اینڈ او کمپنی کے پانی پر تیرنے والے عشرت محل میں چند روز سفر کرنا اور چند روز انگلستان اور پیرس کی تہذیب و تمدن کی مہلکاریوں سے متمتع ہونا بھی ایک مجاہدہ قرار پائے تو جان لیجئے کہ اُس قوم کا مرض پرانا ہے اور اب علاج محض گرمئی سخن سے نہ ہوگا - کچھہ آج نہیں میرے دل میں یہ خیال اکثر آیا ہے کہ آخر یہ تماشے کب ختم ہونگے - تماشاگاہ میں ہر شب کو تاج‌الملوک بکاؤلی کے سرہانے پہنچ جاتا ہے لیکن صبح کو جب تماشہ ختم ہوا تو اُس تاج الملوک نے بھی رات کے رنگ‌روغن کو گرم پانی سے دھو ڈالا اور بکاؤلی کے نرگس شہلا کا بھی سرمہ بہہ گیا ! اس بدنصیب براعظم کے تماشاگاہ میں شب و روز یہ تماشے ہو رہے ہیں ، لمبی تانیں ، بلند آوازیں ، بہت سے خوبصورت ہار اور گلدستے ، پھولوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور جلوس - قوم کی بیداری کی روشن دلیلیں یہ ہیں ! خدمت و مخدومیت کا تخیل وہ تاج الملوک ہے جس نے بکاؤلی کو محض خواب میں دیکھہ لیا ہو اور ایک کاغذ کا پھول بنا کر دکھاتا پھرے کہ یہی میرا گُلِ مراد ہے ! ''

'' ....بہت سے دولت‌مند عرب بھی دیکھے جو اپنی موٹروں میں اُڑے پھر رہے تھے - کیا یہ بھی عہد نبوت کے ان شتر بانوں کی نسل ہے جو ناقۂ رسالت کی ڈوری پکڑ کر چلتے تھے ؟ کیا وہ بھی طارق کی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے اخلاق ہیں جو جہاز کے سامنے پانی میں غوطہ لگا رہے تھے کہ شاید کوئی مسافر ایک پیسہ پھینکدے !

معلوم نہیں عدن کی پہاڑیوں کے دامن میں پانی کے حوض کسنے بنائے تھے جلکو آثار تاریخي کا جویاں سیاح دیکھنے جاتا ھے - کوئي کہتا ھے کہ یہ حوض ایرانیوں کے بنائے ہوئے ہیں - کوئي کہتا ھے کہ عربوں کے کسي پرانے قبیلے نے صدیوں پہلے ان حوضوں کو تیار کیا تھا -

.......آج یہ حوض خشک پڑے ھیں پہاڑ بھی خشک ھیں اور انکے چشمے بھي بےآب ھیں - لاریب کہ عدن کے تمام چشمے خشک ھیں - پانی کے چشموں کا کیا ذکر عرب کي انسانیت کے چشمے بھی خشک ھیں اور جہاں کچھہ پانی ھے تو اُسکو بھي گندی مچھلیوں نے گندہ کر دیا ھے '' -

---

'' ....بہت سے جہاز اس سمندر میں گذرتے ھیں - ان جہازوں پر ھزاروں مسلمان خلاصي اور سیکڑوں مسلمان مسافر بھي گذرتے ھونگے لیکن کتنے ایسے ھیں جن کو یہ خبر ھے کہ اس سمندر کے پانی میں فدائیاں اسلام کا کسقدر خون ملا ھوا ھے - رونے کو نہیں کہتا - رونے کا قائل نہیں - مگر یہ ایک درس عبرت ھے ! یہاں مدرسوں میں نپولین کرامول اور نلسن کے سوا ھے کیا - انہیں کیا معلوم کہ بحر اوقیانوس میں بھي کبھی اونٹ والے گھس جایا کرتے تھے ! وہ آرمیڈا کے نام سے تو واقف ھیں مگر عقبہ ابن نافع کے گھوڑے اور طارق کي کشتیوں کا حال انکو کیوں کر معلوم ھو ! غلامي کا اصلي زھر یہھے ! پھر کیا تعجب ھے کہ یہ غافل دنیا میں جدھر جاتا ھے زندگي کو تلخ پاتا ھے !

'' ملاقاتیں ختم ہو گئیں - بارگاہ وزارت کے دروازے بند ہو گئے - بندگان فرمان حاضر ہوئے اور رخصت کردئے گئے - اک تماشہ تھا کہ ختم ہوگیا کوئی نئی بات ہمارے ذہن میں نہیں تھی جو کہتے کوئی نئی بات وزیراعظم کے پاس نہ تھی جو وہ کہتے ہم نے وہی کہا جو عرصہ سے کہہ رہے ہیں انہوں نے وہی جواب دیا جو وہ دیا کرتے ہیں - ہمارے مطالبات بھی وہی تھے ان کا انکار بھی وہی تھا - ہمارے عرض معروض کا انداز کچھہ بدلا ہوا نہ تھا اُنکی نفی کا وزن بھی پہلے سے کچھہ کم نہ تھا - ہمارے آنے سے پہلے کچھہ باقی نہ تھا جو وزیر اعظم کے کان تک نہ پہونچاہو اور ملاقاتیں ختم ہو جانے کے بعد بھی کچھہ باقی نہ رہا جو آیندہ کہا جائے ! غلام بھی وہی تھے آقا بھی وہی تھا - ہماری پیشانی بھی وہی تھی اور انکا سنگ آستاں بھی وہی تھا ہماری التجائیں بھی وہی تھیں اور انکا اغماز بھی وہی تھا ! پھر آخر یہ سب تھا کیا ؟ .... یہ اب ایک خواب ہے کہ چند روز یاد رہے گا ' میں اس خواب کو حوالۂ قلم کرتا ہوں کہ اگر کہیں یہ صفحات ہندوستان کے آیندہ مورخ کے ہاتھہ پڑ جائیں تو وہ بھی دیکھے کہ ہندوستان کس طلسم میں مبتلا تھا - ہر شخص پوچھتا ہے کہ آخر گئے کیوں تھے جواب اسکے سوا کیا ہو کہ اسلئے کہ بلائے گئے تھے - اتنی جلد کیوں واپس آئے اس لئے کہ واپس بھیجدئے گئے.......''

خواجہ حسن نظامی صاحب اپنی ظرافت کے بارے میں خود فرماتے ہیں :-

" میری طبیعت کی افتاد شوخی و ظرافت کے خلاف واقع ہوئی ہے........مگر جناب اکبر کی ہم نشینی اور کچھ اِس احساس کے سبب کہ نثر اُردو میں مفید ظرافت کا رواج بڑھے مجھکو بھی شوق ہوا کہ اُردو کے اس میدان میں طبع آزمائی کروں - میری عادت تقلید کی نہیں اسواسطے میں نے اُردو ھی سے اُس کا عنوان نیا تصنیف کیا اور اسکا نام چٹکیاں اور گدگدیاں رکھا ....اکثر مضامین میں جناب اکبر کا پیرایہ میرے پیش نظر ہے وہ نظم کے دو جملوں میں جو بات کہتے ہیں میں نے اسکو ایک بڑے مضمون نثر میں ادا کیا ہے - بعض مضامین کی شوخی کھلی ہوئی ہے بعض کی عبارت اوپر کی سطح سے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے مگر اثر دل پر ظرافت کا ہوتا ہے - دانستہ بھی ایسا کیا ہے کہ بعض شوخ مضامین کو رکاکت میں گر جانے کے اندیشہ سے متانت کی چادر اُڑھا دی ہے........ہنسی مذاق میرا کام نہ تھا مگر میں نے محض زبان اُردو کی خاطر اس میں دخل دیا اور کچھ لکھا......میرے تازہ مجموعۂ مضامین پر جو سیپارۂ دل کے نام سے گذشتہ مہینے شائع ہوا ہے جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دیباچہ لکھتے ہوئے ایک فقرہ یہ بھی لکھا تھا کہ ان مضامین میں غالب کے طرح ظرافت کی چاشنی نہیں ہے لہذا آج مغلوبہ کی طرح ظرافت کی چاشنی چکھانے لایا ہوں " -

---

خواجہ صاحب کی ظرافت اپنی آپ مثال ہے - اس طرز میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ' راقم‌السطور کو رعایت لفظی اور حروف یا الفاظ کی اُلٹ پھیر سے طبعاً نفرت ہے - خواجہ صاحب کے یہاں یہ

چیز کثرت سے ھے ، اس میں شک نہیں یہ سستے قسم کی ظرافت ھے اور اس پر سر دھننے والے بھی کثرت سے ملتے ھیں اور یہ بھی ظاھر ھے کہ خواجہ صاحب کا منشا بھی یہی ھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف یا اپنی مقاصد کی طرف متوجہ کر سکیں لیکن جہاں تک صحیح ذوق اور سنجیدہ انشاپردازی کا تعلق ھے یہ نیت یا یہ فعل کچھہ بہت زیادہ قابل تحسین یا تقلید نہیں ھے - لیکن اس میں بھی شک نہیں جہاں خواجہ صاحب مفہوم اور مقصود کو ان لفظی بازیگریوں یا گررکھہ‌دھندے سے محفوظ رکھتے ھیں وھاں ان کی خیالات نہایت درجہ پُر لطف اور اتنا ھی سبق آموز ھوتے ھیں - طنزیات اور ظرافت دونوں انتہائی خلوص اور ایمانداری کے طلبگار ھوتے ھیں - یہاں اشخاص اور الفاظ کو زبردستی یا دیدہ و دانستہ اُچھالتے ، پھراتے رھنا ، کفر ھی نہیں بلکہ اس سے کچھہ زیادہ یعنی بد مذاقی ھے !

خواجہ صاحب کے بعض چٹکلے دوسروں کے پورے ظریفانہ مضامین پر بھاری ھوتے ھیں - خواجہ صاحب کی سہل ، سادہ اور مزیدار اُردو بجائے خود لطیفہ ھوتی ھے چہ جائیکہ اس میں ظرافت اور خوش طبعی کی بھی چاشنی رکھدی جائے - ھر اچھی ظرافت ایک قسم کی خوشگوار طنز ھوتی ھے اور ھر خوشگوار طنز بجائے خود ایک لطیف ظرافت ! اس کا بہترین ثبوت خواجہ صاحب کی بعض چٹکیاں اور گدگدیاں ھیں ،

ملا رموزی اور خواجہ حسن نظامی کی ظرافت اور خوش طبعی میں یہی چیز مابہ‌الامتیاز ھے - ملا رموزی کا دماغ ظرافت کے لئے نہایت رسا ھے ، وہ جس موقعہ کا تذکرہ کریں گے اس میں ظرافت

یا طنز کے جتنے پہلو ممکن ہیں سب اُن کے سامنے آجائیں گے
لیکن لکھتے وقت وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ
سب باتیں لکھنے کی نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ اور لہجہ میں
نہیں لکھنا چاہئے جن میں ملا صاحب لکھنے کے عادی ہیں
ملا صاحب کی تحریروں میں ایک چیز اکثر کھٹکتی ہے اور اس
چیز کا احساس سوا ملا صاحب کے ہر ایک کو ہے یعنی وہ دوسروں
کی پگڑی اور اپنا نام اُچھالنے کی زیادہ فکر رکھتے ہیں ! اور
یہی وہ چیز ہے جس کے سبب سے اُن کی بہترین ظرافت '
بد ترین طنز – اور بہترین طنز ' بدترین ظرافت میں تبدیل ہو جاتی
ہے - جو چیز پیشہ بنا لیجائے گی وہ ہمیشہ قبیح نظر آئیگی اور
جو چیز بطور مشغلہ تفریح برسرکار رہیگی وہ ہمیشہ مقبول اور
محبوب ہوگی - ملا رموزی صاحب نے ظرافت اپنا پیشہ سا بنا
لیا ہے اور یہی سبب ہے کہ بسا اوقات وہ لکھتے لکھتے ایسا
لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں یا ایسے الفاظ اور فقرے لکھہ
جاتے ہیں جو انکے جیسے رتبہ کے انشاپردازوں کے شایاں شان
نہیں ہوتے - مثلاً رسالہ صوفی میں انہوں نے پیروں ' صوفیوں
اور اسکول کے لڑکوں کے بارہ میں جو قلمی جہاد (یا مغلظات)
شروع کیا ہے وہ کسی طور پر ایک معقول مسلمان انشاپرداز
کے شایان شان نہیں ہے - ملا صاحب غالباً راقم‌السطور سے بہتر
اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ مکروہ سے مکروہ اور فحش سے
فحش حالات اور واقعات پر بھی انتہائی لطافت اور نزاکت سے
اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہے تو
پھر انشا پردازی کے بجائے کچھہ اور کیوں نہ شروع کردیا جائے !

بایں‌ہمہ مجھکو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ملا صاحب کی

تصنیفات بعض حیثیات سے بے مثل ہیں ' ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھہ جاتي ہیں جہاں بمشکل کسی کي رسائي ہو سکتی ہے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ہوتي ہیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں ہے ! ناانصافی ہوگي اگر یہاں پروفسر عبدالقادر سروري ام اے ایل ایل بي کے خیالات بھي ناظرین کے سامنے نہ پیش کئے جائیں جو انھوں نے ملاصاحب کے مضامین کے مجموعہ پر بطور '' ایک علمي تبصرہ '' قلمبند فرمائے ہیں '

'' ....غرض ابھي ایک وسیع اور شاندار مستقبل ہمارے سامنے ہے جس کا راستہ ملا رموزي نے کھول دیا ہے یقیناً ملارموزی کی ظرافت نگاری اخبارات اور رسائل سے نکلکر مستقل ادبیات میں جگہ کرلیگي اور قوم کے پژمردہ دلوں کے لئے مسرت پائدار ثابت ہوگي اور ملک کے تاریک ترین گوشوں کے لئے بھي روشني کا کام دیگي اسی لئے ملا رموزي کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی نثري اور ادبی خدمات اب بتدریج ادبیات اردو کا جزولازم بن رہی ہیں اور '' تاریخ ادبیات اُردو '' آپ کا نام ہمیشہ عزت وشکر گذاری سے محفوظ اور برقرار رکھیگي - ''

خواجہ حسن نظامي صاحب کی چٹکیاں اور گدگدیاں :—

'' ساربان ابن ساربان ''

'' تمہارے خاقان ابن خاقان و سلطان ابن سلطان کا ہم قافیہ ساربان ابن ساربان ہوں ' اونٹ چلاتا ہوں - اونٹ کي محنت پر میری زندگی کا دارومدار ہے -

دیکھو میرے پیچھے اونٹوں کی ایک قطار چلي آتي ہے '

ھر اونٹ کي نکیل دوسرے کي دم سے بندھي ھوئي ھے اور بیچارہ چپ چاپ گردن جھکائے آگے والے اونٹ کے قدم بقدم چلا جاتا ھے -

راستہ میں ایک منطقي صاحب ملے تھے - بولے کیوں بھئی اونٹو! تمہاری پیٹھہ پر کیا لدا ھوا ھے اور تم کہاں جاتے ھو ' سب نے کہا اسکی خبر ھمارے ساربان ابن ساربان کو ھے - اس نے جو کچھہ لاد دیا ھے ھم نے لاد لیا ھے - وہ جہاں لے چلے گا وھاں چلے جائیں گے -

منطقي نے کہا تم کو معلوم کرنا چاھئے تھا کہ کہاں کا ارادہ ھے اور پشت پر لادي ھوئي چیز کیا ھے - یہ سنکر ایک اونٹ نے کیا خوب جواب دیا کہ آپ کے کالجوں اور اسکولوں میں جو شترزادے کتابوں کا بوجھہ اُٹھائے ھوئے اور ایک دسرے کي دم سے بندھے جارھے ھیں ان سے بھي کبھی پوچھا کہ کہاں جاؤ گے اور تم پر کیا لدا ھوا ھے.......''

'' پیاری ڈکار ''

'' کونسل کي ممبري نہیں چاھتا ' قوم کي لیڈري نہیں مانگتا - ارل کا خطاب درکار نہیں موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھي کي تمنا نہیں میں تو خدا سے اور اگر کسي دوسرے میں دینے کي قدرت ھو تو اس سے بھي صرف ایک ' ڈکار ' طلب کرتا ھوں - چاھتا یہ ھوں کہ اپنے طوفانی پیٹ کے بادلوں کو حلق میں بلالوں اور پوري گرج کے ساتھہ باھر برساؤں یعنی کڑاکے دار ڈکار لوں پر کیا کروں یہ نئے فیشن والے مجھکو زور سے ڈکار لینے نہیں دیتے - کہتے ھیں ڈکار آنے لگے تو ھونٹو کو بھیچ لو اور ناک کے نتھنوں سے اُسے چپ چاپ اُڑادو - آواز سے ڈکار لینی بڑي بے تہذیبي ھے -

مجھے یاد ہے سر جیمس لاٹوش یو پی کے لفٹننٹ گورنر علی‌گڑہ کالج میں مہمان تھے رات کے کھانے میں مجھ جیسے ایک گنوار نے میز پر زور سے ایک ڈکار لے لی - سب جنٹلمین اس بیچارے دہقانی کو نفرت سے دیکھنے لگے - برابر ایک شوخ و طرار فیشن‌ایبل تشریف فرما تھے انہوں نے نظر حقارت سے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جیب سے گھڑی نکالی اور اس کو بغور دیکھنے لگے - غریب ڈکاری پہلے ہی گھبرا گیا تھا - مجمع کی حالت سے متاثر ہورہا تھا - برابر میں گھڑی دیکھی گئی تو اُس نے بے اختیار ہوکر سوال کیا - جناب کیا وقت ہے - شریف فیشن پرست بولا گھڑی شاید غلط ہے - اس میں نو بجے ہیں مگر وقت بارہ بجے کا ہے کیونکہ ابھی توپ کی آواز آئی تھی !

بیچارہ ڈکار لینے والا سنکر پانی پانی ہوگیا کہ اسکی ڈکار کو توپ سے تشبیہ دیگئی - اس زمانے میں لوگوں کو سلف گورنمنٹ کی خواہش ہے ہندوستانیوں کو عام مفلسی کی شکایت ہے - میں تو نہ وہ چاہتاہوں نہ اس کا شکوہ کرتا ہوں - مجھکو تو انگریزی سرکار سے صرف آزاد ڈکار کی آرزو ہے - میں اس سے ادب سے مانگونگا ' خوشامد سے مانگونگا - کوئی نہ مانےگا تو کہے دیتا ہوں زور سے مانگوں‌گا - جد و جہد کروں‌گا - ایجی‌ٹیشن مچاؤں‌گا - پُر زور تقریریں کروں‌گا - کونسل میں جاکر سوالوں کی بوچھار سے آنریبل ممبروں کا ناک میں دم کروں‌گا -

لوگو ! میں نے تو بہت کوشش کی کہ چپکے سے ڈکار لینے کی عادت ہو جائے - ایک دن سوڈا واٹر پی کر اس بھونچال ڈکار کو ناک سے نکالنا چاہتا تھا مگر کمبخت دماغ میں الجھہ کر رہگئی ' آنکھوں سے پانی نکلنے لگا - اور بڑی دیر تک کچھہ سانس رکا رکا سا رہا !

کیوں بھائیو تم میں سے کون میری حمایت کریگا اور نئی روشنی کی فیشن ایبل سوسائٹی سے مجھکو اس اکسٹریمسٹ حرکت کی اجازت دلوائیگا ۔ خلقت تو مجھکو حزب‌الاحرار یعنی گرم پارٹی میں تصور کرتی ھے اور میرا یہ حال ھے کہ اپنی گرم ڈکار تک کو گرما گرمی اور آزادی سے کام میں نہیں لاسکتا - ٹھنڈی کر کے نکالنے پر مجبور ہوں !

بعض بےمزہ لفظی اُلٹ پھیر کی مثالیں :—

"پٹرولیم کا قحط :—

ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ہیں اور دوسرے علحدہ علحدہ معنوں میں ' یعنی پیٹر بمعنی پیٹروگراڈ اور دوسرا (قیصر) ولیم سب کا مفہوم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب !!

"طائر ہوائی کی بیٹ"

ایک بیٹ تو وہ جو سخن فہمی عالم بالا کے سلسلہ میں کسی شاعر کو نصیب ہوئی تھی دوسری بمعنی ' ضرب ' انگریزی میں beat بیٹ کے معنی مارنے کے ھیں - مطلب یہ ھے کہ " ہوائی پرندوں کی آتشی بیٹ جرمن کے منھہ پر ہورھی ھے " !

" جرمن میں مس کی کمی "

مس بمعنی تانبا اور مس بمعنی عفیفہ - " پس اہل جرمن کو چاھئے کہ وہ مسوں کو مومیائی بناکر کیمیائی طریق سے مِس بنالیں "

" جنرل فان "

" اس میں فان لگا ہوا ھے جسکی معنی فنا ہونے کے ہیں - معلوم نہیں وہ اس لفظ سے فاعلیت کا اثر حاصل کرینگے یا

مفعولیت کا - آخری اثر ہوا تو ان کے ہاتھوں سے جرمنی قوم کا
فنا ہو جانا لازمي ہے " !

" آپان "

" جاپاني دھاں کے چاول کھانے والے ہندوستان کے پان کے
قریب ہونے کے سبب اپنے ملک کو جاپان کہتے ہیں ان سے کہدو
کہ ہمارے پان کو نظر نہ لگائیں کیونکہ ان کی زبان سے جاپان
سنکر جي دھڑکتا ہے - وہ ہمارے دوست ہیں تو اپنے ملک کا
نام آپان رکھہ لیں تا کہ پان خور ہندوستانی وہاں جا کر
علم و ہنر سیکھہ آیا کریں - پان پر جا کا لفظ ٹھیک نہیں "

" جنوري میں جانوری "

" جنوري کي سردي میں ہر انسان جانور بن جاتا ہے اور
ہر وقت لحاف و کمبل کے بہت میں گھسا رہنا چاہتا ہے "

" دردمہ "

اخبار ہمدرد کو اُلٹ کر دیکھو تو دردمہہ بن جائے - اس
واسطے ثابت ہوا کہ ضرور اُس کے ایڈیٹر کے شکم میں ہلال کا درد ہے "

" لال ہلا "

" الہلال بند ہو گیا - یہ بے نقط اخبار تھا اور سب کو
بے نقط سناتا تھا - جب چارۂ کار کي تدبیریں ہونے لگیں تو
اس کے حروف کو بھي اُلٹ کر دیکھا تو حکم ملا (لال ہلا)
معلوم نہیں الہلال کے محرر خصوصي لالوں کا ہلانا منظور کرینگے
یا نہیں طوطے تو بہت پال چکے ہیں لالوں کا پنجرا بھی
رکھہ لیں تو کیا مضائقہ ہے " ؟

وغیرہ وغیرہ -

ملا رموزي صاحب :—

اگر یہ صحیح ہے کہ بڑے بڑے لارڈ " آپریشن " سے شفاخانوں میں مرجاتے ہیں - اگر ہندوستانی راجے مہاراجے قوت باہ اور طلا کي گولیوں سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں اگر ہندوستانی قلي ، صاحب لوگوں کی ٹھوکر سے مرجاتے ہیں تو دیکھہ لینا ہم کسی نہ کسي دن مضمون نگاری میں ....یہ ہو جائینگے اور یار لوگ انالله پڑہ کر فارغ ہو جائیں گے.......وہ تو قوم نے مالداري کی وجہ سے خواجہ حسن نظامي صاحب کو " مصور فطرت " کہدیا ہے ورنہ اصل میں " مصور فطرت " تو ہم تھے جب کہ ہم ہر شخص کا حلیہ کھینچ کر رکھہ لینے میں عبدالرحمن چغتائي سے کیا کم ہیں اور ہمارا کونسا مضمون ہوتا ہے جو " عمل چغتائي " کا کام نہ دیتا ہو......"

" کالا آدمي "

جنوبي افریقہ میں گول میز کانفرنس کیجئے چاہئے کوہ ہمالیہ پر بیٹھہ کر تالیاں بجائے - یہ جو ہندوستان کے تیس بتیس کرور انسان " کالا آدمي " ہو چکے - سو اب سفید نہیں ہو سکتے - یقین نہ ہو تو شریک ہو جائے وائسرائے کے استقبالی ہجوم میں ، جمع ہو جائے کسي بازار میں اور مجمع کیجئے کسی ریلوے پلیٹ فارم پر - پس ایک انگریز صاحب آئیں گے اور " اے کالا آدمي " کہہ کر آپ کو ہٹا دینگے علحدہ کردینگے اور کبھي آپکے اوپر سے گھوڑا دوڑا کر منتشر کردینگے - مگر یہ کبھي نہ کرینگے کہ " کالا آدمي " سمجھکر ریل کا کرایہ ، لفافوں کی قیمت یا میونسپل ٹکس آپ سے کم کروالیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر

انگریزوں نے ہندوستانیوں کا تخلص "کالا آدمی" ہي کیوں رکھا ؟ اس کا جواب۔۔۔مسیح موعود نے یہ دیا ہے جب کہ ہم ہندوستاني پانی‌پت کے میدان میں انگریز بھائیوں کے مقابلہ سے بھاگ چکے تو اب انگریز ہو گئے "اولی الامرمنکم" لہذا اب ان پر کوئی اعتراض ' سوال ' تنقید ' غرض سب کچھہ حرام ہے۔۔۔۔۔۔"

ریل کا سفر :—

"۔۔۔۔۔۔لیکن عین اس وقت جب کہ ہم جواني کي نیند کے مزے لے رہے تھے یکایک ایک جھٹکا لگا جس کے اثر سے ہم الصلواۃ خیر من النوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہتے ہوئے بیدار ہو گئے اب جو آنکھیں کھولتے ہیں تو سینہ پر ایک گٹھری اور بستر رکھا پاتے ہیں لیکن آپ بھي ہمارے وسیع مطالعہ کو دیکھئے کہ چھاتي پر بستر رکھا دیکھکر ہمیں کوئی حیرت نہ ہوئي بلکہ فوراً سمجھہ گئے کہ ہو نہ ہو یہ کوئي استیشن ہے - جہاں سے کوئي گھبرایا ہوا کسان سوار ہو رہا ہے اور اس نے گھبراہٹ میں یہ بستر کھڑکي سے ہي ہمارے اوپر دے مارا اور اب وہ صدر دروازہ سے آیا ہي چاہتا ہے - یہ سوچ کر گردن جو اٹھائي تو صدر دروازہ سے دیکھا کوئي دس بارہ کسان ریل کے اندر چلے آرہے ہیں ' سروں پر چار چار تھان کھدر کے لپیٹے ہوئے جن کے اندر سے وہ لمبي لمبي چلمیں نظر آرہی تھیں جو بوقت سفر اس کھدري عمامہ کے اندر لگا لي جاتي ہیں - اسي کھدر کے "میڈ ان دیہات" کوٹ جنکے سینے کھلے اور اندر سے بال صفا پوڈر صاف نظر آرہے تھے - ہاتھوں میں بڑي بڑي لاٹھیاں ' بقدر ستر عورت دھوتیاں اور پاؤں میں وہ وزنی جوتے جو اخبار ہمدم کے کسي لکھنوی

کاتب یا اسسٹنٹ اڈیٹر کو غلطی سے پھنسا دئے جائیں تو اُف کہہ کر اناللہ ہو جائیں - غرض کسانوں کی یہ پوری پارلمنٹ جب اس ڈبے میں داخل ہوئی تو اب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ بمبئی تک سونا تو ایک طرف شاید ہم حرکت بھی نہ کر سکیں گے ''

''......اب بتائیے کہ ملا رموزی پولیس کو لے کر کس کے پیچھے بھاگے ؟ میاں مجرد کے یا اس عورت کے یا اس عورت کے ان بے حیا بے غیرت اور بے حمیت ماں باپ کے جنھوں نے اس حرافہ اور فاحشہ کو پال کر جوان کیا اور خدا پرستی کو ذلیل کرانے کے لئے بھیجا بھی تو اندھوں نے ایک بدمعاش پیر کے پاس مگر آہ تمہیں کیا خبر کہ آج دولت مندوں کے کتنے اونچے اور نیچے گھرانے کی بدکار و بدمعاش عورتیں ہیں جو مرید ہونے کے نام سے ان بدمعاش پیروں کے آغوش میں ہیں مگر نہ انھیں موت آتی نہ ان کے مردوں کو اور مارے غیرت اور تاؤ کے سوکھہ کر کانٹا ہوتے جاتے ہیں کون کہ یہ اپنے ہنسانے اور زندہ دل بنانے والے ملا رموزی صاحب !

''......لہذا ارباب قلم سے درخواست ہے اگر انہیں تاریخ کے معزز صفحات میں اپنی اس نئی نسل کو زنانہ نسل لکھوانے سے کچھہ بھی شرم دامنگیر ہوتی ہے تو وہ شمشیر بے پناہ ہو کر لڑکوں کے اس زنانہ پن کو روکنے میں ملا رموزی کا ساتھہ دیں کیونکہ بناؤ سنگھار اور زنانہ پن کے حساب سے یہ لڑکے اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ لوگ ہر لڑکے کے باپ کو یہ پیغام بھیجنا

شروع کردیں کہ اپنے لڑکے کے ساتھہ ہماری نسبت منظور فرماکر ہمیں اپنی فرزندی میں قبول فرمائے...... "

طنزیات و مضحکات کے سلسلہ میں اودہ پنچ کا تذکرہ ضروری بھی ہے اور دلچسپ بھی - غالب کے عہد تک طنز اور ظرافت کا جو سرمایہ اردو میں ملتا ہے وہ "پنچیانہ" رنگ پنچ سے گو بے نیاز نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں اس دور تک پنچ کو صحافتی درجہ حاصل نہیں تھا - اسبارہ خاص میں اودہ پنچ کو امتیاز تقدم حاصل ہے - اودہ پنچ کے بعد ہندوستان کے دیگر حصص میں پنچ کی حیثیت سے مختلف جرائد شائع ہوئے اور اب بھی شائع ہو رہی ہیں لیکن خود اودہ پنچ کے رنگ کو اس میں سے ایک بھی نہیں پہنچ سکا -

منشی محمد سجاد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ۱۸۷۸ع میں اودہ پنچ کا اجرا کیا - اس وقت سیاسی مسائل نسبتاً کچھہ زیادہ جاذب توجہ نہ تھے ، اگر تھے بھی تو ایسے نہیں کہ ان کی اصلاح یا ان کا احتساب مقصود بالذات ہوتا - ان پر اظہار خیال کیا بھی جاتا تو محض سرسری طور پر وہ بھی تفریحاً جو مسائل اس وقت منشی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے کار کے پیش نظر تھے وہ بڑی حد تک معاشرتی یا مقامی تھے - مولوی سید محمد آزاد یا اکبر حسین صاحب اکبر کی طنز اور ظرافت کی آما جگاہ حکومت اور سیاست نہیں بلکہ مغرب اور مغربیت تھی -

بدنصیبی سے منشی سجاد حسین مرحوم فالج میں مبتلا ہوئے لیکن یہ کلفت جسمانی ان کی ہمت مردانہ اور شگفتگی طبع

کو مستحکل نکر سکی اودھ پنچ نکلتا رہا ' فالج کا دوسرا دورا ھوا '
قلمی معاونین کی صف بھی اب کہیں کہیں سے خالی ھونے
لگی تی ' کچھہ جاں بحق ھو چکے تھے ' بقیہ حق بخشوا رھے
تھے ' بچی کچھی صرف سجاد مرحوم کی وضعداری رہ گئی تھی
جو بالاخر ان کی زندگی اور ان کی تمام ملک و معشیت کے
ساتھہ ختم ھو گئی اور اس طرح سنہ ۱۹۱۳ میں اودھ پنچ بند
ھوگیا ۔

دو سال بعد سنہ ۱۹۱۵ع میں حکیم شیخ محمد ممتاز حسین
صاحب نے (جنکے والد لکھنؤ کے تعلقہ داروں میں سے
تھے) اودھ پنچ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا ۔ حکیم صاحب
موصوف ریڈ کرشچین کالج میں اردو شارٹ ھینڈ (مختصر نویسی)
کے پروفیسر تھے اور اب اودھ پنچ کے اڈیٹر ھیں مولانا جسٹس
کرامت حسین صاحب مرحوم کے مشورہ سے ممتاز حسین صاحب
نے سنہ ۱۹۱۶ع میں اودھ پنچ کو نئے سر سے شائع کیا اور اب تک
ملک و ملت اور زبان کیخدمت میں مصروف و منہمک ھیں ۔

موجودہ عہد میں اودھ پنچ کا رویّہ بحیثیت مجموعی
حسب ذیل مقاصد کا ترجمان ھے '

۱ ۔ بد اخلاق اور بد مزاق کے سوانح ذاتیہ سے قطع نظر
عام بداخلاقی اور بد مزاقی کی ھجو کیجائے ۔

۲ ۔ آزادئی مُلک ۔ لیکن لب و لہجہ اشتعال انگیز ھونے کے
بجائے ظرافت خیز ھو ۔

۳ ۔ صحت اور سلاست زبان

۴ ۔ علمی اور فلسفیانہ مضامین کو بھی فروغ دیا جائے
بشرطیکہ شگفتگی اور ظرافت کا عنصر نمایاں طور پر غالب ھو ۔

۵ - مضحک تصاویر (کارٹون) سے طنز اور ظرافت کا اظہار اور اُسکی اشاعت -

اودھ پنچ کے دور اول کے مشہورترین مضمون نگار سرشار ' اکبر اور آزاد تھے ' موجودہ عہد میں سید مقبول حسین صاحب ظریف اُسکے بہترین علمبردار ہیں - اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگار اپنے نام کی اشاعت گوارا نہیں کرتے - ممکن ہے یہ طریقہ کار بربنائے مصلحت مناسب یا ضروری ہو لیکن اُردو کی تاریخ مرتب کرنے والے نیز اُردو کے آئندہ انشاپردازوں کیلئے یہ ""مصلحت"" غیر مفید اور تکلیف دہ ثابت ہوگی - اسکی تلافی کی اگر کوئی ممکن اور معقول صورت ہوسکتی ہے تو صرف یہ کہ اودھ پنچ کے منتخب اور ٹکسالی مضامین کا مجموعہ کتابی شکل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہے -

اودھ پنچ کی سب سے نمایاں خصوصیت کارٹونوں کا شائع کرنا ہے - طنز اور ظرافت کا یہ پہلو اُردو میں کمیاب بلکہ نایاب تھا - اودھ پنچ کے بعض کارٹون اپنی ندرت اور جامعیت کے اعتبار سے یوروپین صحائف کے بعض بہترین کارٹونوں سے لگا کھاتے ہیں -

بعضوں کا خیال ہے کہ "پنچیانہ ظرافت" اکثر ذوق سلیم پر بار ہوتی ہے - پنچ میں لکھنے والے اکثر حد اعتدال سے گذر جاتے ہیں - ان کا مقصد طنز اور ظرافت کے بجائے "تھکا فضیحت" ہوتا ہے اور اس طور پر پنچ کے ذریعہ سے سوقیانہ ظرافت اور بازاری پھکڑ کو بے جا فروغ حاصل ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ -

ممکن ہے یہ فرد جرم اودھ پنچ یا کسی اور پنچ پر کامیابی کے ساتھہ لگائی جا سکے لیکن یہ کہنا کلیۃً صحیح نہیں ہے کہ

پنچ اس قسم کے پھکڑ یا فحاشی کو اپنا نصب‌العین سمجھتا ہے - پنچ کا وسیلہ پھکڑ یا فحاشي ہو سکتا ہے مقصد ہرگز نہیں ہوتا - پنچ کا مقصد عالمانہ اور فلسفیانہ ظرافت کي نشر و اشاعت نہیں ہوتا - اس کے یہ معنی نہیں ہیں وہ تبسم نہیں صرف قہقہہ کا قائل ہوتا ہے - اور اسمیں بھي شک نہیں وہ تبسم سے زیادہ قہقہہ کا قائل ہوتا ہے اب رہا یہ مسئلہ کہ یہ قہقہہ پھکڑ یا فحاشی کا محتاج ہوتا ہے یا کوئي سنجیدہ ظرافت بھي اس کي محرک یا معین ہو سکتي ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ فی‌الحقیقت متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے کا انحصار نفس ظرافت پر اتنا نہیں ہے جتنا خود متبسم ہونے یا قہقہہ لگانے والے کي افتاد طبع پر - یہ بھي ممکن ہے کہ اس کا تعلق نفس ظرافت سے ہو بنا بر آں خود ظرافت کو معقول اور مہذب ہونا چاہئے یہ اور بات ہے کہ اس پر کوئي قہقہہ لگائے یا متبسم ہو -

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ "معقول" اور "مہذب" کا معیار کیا ہے اور آیا پنچ اس کا پابند ہے یا نہیں - سرسري طور پر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ معقول اور مہذب کا معیار وهي ہے جو معقول اور مہذب لوگوں کا شعار ہو - لیکن سوال کا درسرا حصہ یعني آیا پنچ کو اس کا پابند ہونا چاہئے یا نہیں ، کسی قدر پیچیدہ ہے - بظاہر یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ پنچ کو یقیناً اس کا پابند ہونا چاہئے -

یہاں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچ کا مفہوم خود "عام پسندي" سے وابستہ ہے - لیکن خرابي یہ ہے کہ یہي "عام پسندي" اکثر گر کر "عوام پسندی" کے حدود

تک پہنچ جاتي ھے - ظاھر ھے جس تحریک کا مقصد "عام پسندی" ھوگا وہ "عوام پسندي پر" ختم ھوگا - پنچ بالعموم اپنا مخاطب عوام کو سمجھتا ھے ' ممکن ھے پنچ کو اس سے انکار ھو لیکن خود عوام اس سے کبھي انکار نہ کرینگے - یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنچ بعض پیچیدہ نکتے ' دقیق مسائل ' اور پر لطف اشارات کو اکثر ایسے انداز سے پیش کرتا ھے کہ عوام اس کو سمجھہ سکیں یا نہیں لیکن اس پر سر دھننے کے لئے آمادہ ھو جاتے ھیں - تاھم یہ فن یا طریقۂ کار اپنے مقاصد کے اعتبار سے کتنا ھي مستحسن کیوں نہ ھو حد درجہ نازک اور خطرناک ھے - اکثر ایسا ھوتا ھے کہ اس کوشش میں قطعاً ناکامیابي ھوتي ھے اور پنچ کي ظرافت سرقیانہ اور بازاري ھو جاتي ھے -

"عام پسند" یا "خاص پسند" کا مسئلہ نازک اور مشکل ھے - سیاسي اور معاشرتي مسائل کي اھمیت ممکن ھے "عام پسندی" سے وابستہ ھو لیکن جہاں تک اس کا تعلق طنز و ظرافت کے فن یا مذاق سلیم سے ھے یہ کہنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا کہ طنز اور ظرافت کو ھر حال میں تکسالي ھونا چاھئے - عوام کے مذاق کو بھي ' خواص ' کے سطح پر لانے کي کوشش کرنا چاھئے - اس کوشش کا سب سے پہلا اور سب سے قوي اثر یہ ھوگا کہ ظرافت کي سطح مائل بہ پستی ھونے کے بجائے ھیشہ مائل بہ عروج رھیگي - یہ چیز نہایت ضروري ھے اور ظاھر ھے اس مقصد کي کامیابي میں پنچ کي خدمات سے ھمیشہ رجوع کرنا پڑےگا -

پست اور سستے قسم کي ظرافت کي اشاعت کا جرم اودہ پنچ

پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہو ' پنچ پر یہ پورے طور پر عائد ہوتا ہے اور یہاں بقول ہمارے ایک دوست پنچ کے "شامل میں" وہ تمام اخبارات اور رسائل آجاتے ہیں جو اکثر پتلگی کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور جنکا سر ورق اڈیٹر اور اڈیٹوریل اسٹاف کی "قلمی تصاویر سے مزین" ہوتا ہے - پنچ کے نام و نسبت سے بہار ' ممالک متحدہ ' دکن وغیرہ میں اکثر صحائف شائع ہوتے ہیں - ان سب کے مخاطب عوام ہوتے ہیں اور ان کی ظرافت بھی بازاری ہوتی ہے - یہ سب اپنی ابتدا اور ارتقا کے اعتبار سے اودھ پنچ کے تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں لیکن ان کو اپنے مورث یا مرشد سے وہی نسبت ہے جو آج کل کے پیر پیشواؤں کو قدیم اکابر دین سے ہے - حسن و عشق کو جتنا طوائفوں اور شاعروں نے بدنام کیا ہے اس سے کچھہ سوا ہی طنز اور ظرافت کو پنچ اور......(یہ الفاظ اصل مسودہ میں صاف پڑھے نہیں گئے! رشید) نے رسوا کیا ہے -

اودھ پنچ کی روایات کی ابتدا منشی سجاد حسین کی بے باک صداقت اور بے لاگ ظرافت سے ہوئی اور اب اس کی تکمیل کی ذمہ‌داری حکیم شیخ ممتاز حسن صاحب کے سپرد ہے اور یہ اودھ پنچ کی انتہائی خوش نصیبی ہے - حکیم صاحب کی علمی قابلیت اور ہمہ‌دانی مسلم ہے - راقم‌السطور نے ان کو قدیم وضعداری اور جدید روشن خیالی کا ایک متوازن پیکر پایا - لیکن اس کے ساتھہ ساتھہ اس کی بھی قسم نہیں کھائی جا سکتی کہ وہ طنز اور ظرافت کے فلسفہ اخلاق کے بھی ماہر ہیں - اودھ پنچ میں اکثر مضامین ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کو شائع نہ کرنا بہتر تھا جن کی ظرافت مشتبہ اور دل آزارانہ تنقید مسلم تھی

اودھ پنچ کو کسی مخصوص جماعت کے مسلک و مشرب کے خلاف اپنی طنز یا ظرافت کي خواہ مخواہ یا مسلسل اشاعت نہ کرني چاھئے - طنز و ظرافت کا شمار دنیا کے بعض مہلک ترین اسلحہ‌جات میں ھوتا ھے - اس کے استعمال کا منصب ھر وقت ھر سپاھي یا پیادہ کو نہ ھونا چاھئے بلکہ سپہ‌سالار کي خاص اجازت پر اور اسکي براہ‌راست نگراني میں اس کو بروئے کار لانا چاھئے -

اگر اکبر سرشار اور آزاد قدیم اودہ پنچ کے آوردوں میں سے تھے تو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید مقبول حسن ظریف جدید اودہ پنچ کے چشم و چراغ ھیں - جہاں تک معلوم ھوسکا ھے ' سید صاحب ظریف شاعر ھیں -

راقم‌السطور کي نظر سے ظریف صاحب کا کوئي ایسا مضمون نہیں گذرا جو نثر میں ھو - ممکن ھے ظریف صاحب نے نثر میں بھي ظرافت نگاري کي ھو لیکن اس کو قبول عام نصیب نہیں ھوا - ظریف صاحب کي ظرافت بالعموم "زبان" اور "بیان" سے وابستہ ھوتي ھے - اس کے یہ معني نہیں ھیں کہ واقعات اور حالات پر ان کی نظر نہیں ھوتي - کہنے کا مقصد یہ ھے کہ ان کي زبان اور ان کا بیان اس درجہ بے ساختہ اور لطیف ھوتا ھے کہ سننے اور پڑھنے والا بےاختیار ھونے پر مجبور ھو جاتا ھے - موجودہ دور میں ظرافت‌نگار شاعر کي حیثیت سے ظریف صاحب کا پایہ اپنے معاصرین سے بہت بلند ھے -

راقم‌السطور کا خیال ھے کہ ظریف صاحب کو تمثیل‌نگاري (ڈرامہ) کي طرف توجہ کرنا چاھئے - اس میں شک نہیں کہ تمثیل‌نگار کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ھے وہ ظریف صاحب میں غالباً بدرجہ اتم موجود نہیں ھے یعني وہ انساني فطرت اور معاشرت کي نزاکت اور حقائق سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ھوتے - تاھم اس

سلسلہ میں جہاں تک زور بیان یا لطف بیان کا تعلق ہے اور یہ عنصر بھی کچھ کم وقیع نہیں ہے وہ اس فن کے امام ہیں -

ظریف صاحب کی ایک مشہور نظم یہاں ہدیہ ناظرین ہے - گنجائش نہ ہونے کے سبب سے صرف اسی نظم پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ سید صاحب کی دیگر نظمیں بھی کچھ کم قابل اعتنا نہیں ہیں - اس سلسلہ میں ناظرین کی توجہ ظریف صاحب کی مشہور منظوم سیاحت ' سیاحت عراق کی طرف بھی مبذول کرائی جاتی ہے جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اُردو ادب میں نہایت وقیع حیثیت رکھتی ہے -

---

شامت الکشن

(مُسدس)

واہ بی میونسپلٹی جان ' کیا کہنا ترا
تو چچی لیلیٰ کی ' عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھ پہ جو شیدا ہوا
بے خودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا
بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

تیرا خواہشمند ' ہر قید لیاقت سے بری
جس کا جی چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبری
عہد آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری
اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھکو کیا رنڈی ھے کوئی یا نہ رنڈی باز ھے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ھے

جمع کردے قرض ھی لیکر ضمانت کے پچاس
دور ھوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ھاتھہ جوڑے خوب ھو کر بدحواس
گڑ گڑا کر ھر کس و ناکس سے ھو یہ التماس
رھن پرچے کے عوض عزت میری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھکو دیجئے

سنئے اک صاحب کا قصہ جب ھوئی شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے اُمید وار
چھوڑا پیشہ ، ترک فرمایا جو کچھہ تھا کار بار
کچھہ اثاث‌البیت بیچا کچھہ لیا سودی اُدھار
مضطرب رھتے تھے یہ نام آوری کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبری کے واسطے
سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاھا قوم کا
دھوتی باندھے مرزئی پہلے تنا بیٹھا ھوا
اک سڑا مٹی کا حقا پی رھا تھا کج ادا
جاتے ھی تسلیم کی جب اس کو باصد احترام
منھہ کو تیڑھا کر کے بولا " کو ھے بالیکم سلام "
کون
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ، ھوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجھپر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائی اب سے دور
میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور

بولے بدھو کا کہو ہم کہہ کا کہہ کا بوٹ دے ئی
کیا کہا کس کو کس کو ووٹ دیں

بوٹ پہنئے او جو ترتے ہم کا دس کا لوٹ دے ئی
ووٹ پائے گا وہ جلد نوٹ

ساس یہ مینا سپتی ہے نہ جانے کہا بلا
کون بلا

اور تم لمبر جو ہوے جیھو تو ہمرا پھائدا ؟
ممبر فائدہ

ہم کبوں تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا
کبھی کو

آوتے ہی آوت بلایو بن نہک ہم کا چچا
آتے ہی آتے ناحق

ہوئے گوا ھسیار بڑھو آ تم چلے ہو چوٹ دے ؟
ھشیار دینے

کان پکڑا ہم نہ جاؤب اب کُہو کا ووٹ دے
کسی کو

ہم یہے نریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا
اسی نالی ذرا

کا کہی ہو جھٹ دے چالان ہمرا ہوئے گوا
سے ہو گیا

جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا
کوئی کیا ہوا

ہم کچھری ماں مجھٹر سے اُجرداری کیا
میں مجسٹریٹ عذر داری

مکدما جھوٹا ہے صاحب ہم ماں یہہ بوتا نہیں
مقدمہ قوت

سچ کہی میںا سپتی پر کبو موتا نہیں
مینوسپلٹی کبھی

جب سرتے دار بولا لا ہوے کونو گواہ
سرشتہ دار کوئي

ہم کہا سسرا جمادروا کہس ہم کا تباہ
جمعدار

ہم جولاہا آپ کے اور آپ تھرے بادساہ

کون کہہ کے سامنے موتت ہے صاحب واہ واہ
کس کے موتتا ہے

ھنس کے کہہ دینس مجھٹر سیکھہ جی جاؤ بری
کہلا دیا شیخ جي

رہ گئي منھہ باے کے سب لمبرن کی لمبری
کہول کے ممبري

سن لیہو ساري کتھا ؟ دے ہو کہ ناھیں یہ بتاؤ ؟

بوت ماتگے آئے ہو ہم سے تو ہم کا کچھہ دلاؤ

کے چکن بکواس اب بھیا نہ ھمرا مور کھاؤ
کرچکے سر

کہہ دیا بس کہہ دیا ہم جاؤ چپے گھر کا جاؤ
چپ

جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ہم
رقم پیشگي لے لینگے

بوٹ دے موٹر پہ لے جہیو تو ھاں دے دیب ھم
دینے لے جاؤ گے دیدینگے

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے

دھنے بائیں دیکھہ جھٹ قدموں پہ آکر گر پڑے

دل میں پچھتاے کہ آخر کیوں ھوئے تھے ھم کھڑے

کھئے ایسے جاھلوں سے کیا کوئی کشتي لڑے

آبرو کے ساتھہ دے کر '' پانچ '' راضي کر لیا

کامیابي پر ھوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھکر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا
اُن سے جاکر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھکو آپ خوش ہوگا خدا
ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف
مہتر اُن کے دریہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال ؟
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
تیکس گھروارے کا اُنپر بندھہ نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال
ناچ تگنی کا اُنھیں اب میں نچاؤنگا حضور
دیکھئے کس کس طرح اُن کو ستاؤنگا حضور
خوش ہوے سن کر جناب مولوی مکتبی
ہاتھہ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اُس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی
ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری
محترم ! میں وعدہ قبل از وقت کرسکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں
اس میں اک اشکال شرعی اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کی بالفرض قرطاساً کروں
رائے تو اپنی ہدیہ کردوں عوض کچھہ بھی نہ لوں
کیوں بدا ضائع کروں کس واسطے ممبر بنوں
جانتا ہوں یہ بھی میری رائے ہے کتنی وقیع
مفت ضائع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسب خواهش گر بدل مجھکو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیش خدا ماجور بھي هوں اور مثاب
میں نے دکھلا دي حدود شرع میں راہ صواب
میرے معروضات کو فرمائے گر مستجاب
راے دے دینے میں احقر کو تامل کچھہ نہ هو
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساهل کچھہ نہ هو
رائے دیدوں گا عوض میں آپکو '' خمسین '' کے
انکے هي ملتے هیں مجھکو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو کچھہ پابند هیں آئین کے
اس سے کم دینا مرادف هے مري توهین کے
هاں یہ ممکن هے کہ کچھہ تقلیل فرما دیجیے
هے یہ کار خیراب تعجیل فرما دیجئے
خلّص احباب سے کیوں استشارہ کیجئے
راز پوشیدہ رهے کیوں آشکارا کیجئے
سب سے اچھا هے ذرا زحمت گوارا کیجئے
لیجئے تسبیح مجھہ سے استخارا کیجئے
عرض کي هے میں نے جو اتني رقم پر دیکھئے
منع جب آئے تو پھر کچھہ اُس سے کم پر دیکھئے
یہ نہایت کائیں تھے دل میں بولے سوچ کے
شکل تو اچھي هے پر زیبا نہیں میرے لئے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے هوتے هوئے
کرتا هوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت ان کے دل میں تھی تسبیح اُن کے هاتھہ میں
چوها اپني گھات میں تها بلی اپني گھات میں

منع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار
مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار
پوچھا نیت کس قدر پر کی تھی بہر خاکسار
بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز
اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے
آپ کی تنخواہ تو کم تھی تھاٹ تھے لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا
پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اِس سامان سے
اوو فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے
بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہر وقار
" مسٹر ابراھام " بی اے - ٹی ٹی سی ' ای آئی آر
دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے
" آئی ایم ویری بزی میک ھسیٹ جلدی بولئے "
پھر ادھر ٹہلے اُدھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کتے سے کہا کم سون " ان سے " گواوے "
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپنی ووٹ کیسے ڈیگا صاحب اولڈ مین !

چونکہ کنڈیڈیت انگریزی سمجھتے ھی نہ تھے
گڑ گڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ھي نہیں ھے آپ پیدل جائے
میں نے موٹر مانگ لي ھے آپ ھي کے واسطے
اور کیوں کر اس طرح چلئے گا دیلے مجھکو ووٹ
کیجئے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ
بات انگریزي نما اردو میں یوں صاحب نے کي
ھم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں ''او آئي سی''
دیکھو اپني ووٹ رکھني مانگتا ھے ھم فری
کس کو دے گا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھي
ھام ستي فادر نہیں تم کو بتانے مانگتا
ھم
ڈیم پھر موٹر پہ ھم کاھے کو جانے مانگتا
ھو کے یہ مایوس جب پلٹے وھاں سے منھہ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ھے ھائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئي صورت نہیں بنتي بنائے
فیس دے کر نرس اک بھر سفارش لاؤنگا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤنگا
پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ اک بز قصاب کي دوکان میں
نثر میں پڑھکر قصیدہ پہلے اُس کي شان میں
چاھتے تھے یہ کہیں کچھہ شیخ جی کے کان میں
یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنئے حجرت ھم لگي لپٹي نہیں رکھتے جرا
حضرت ذرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور
سیکھ مٹّے جسکو کہہ دیں بوٹ دیدینا جرور
ضرور

پر مناھی کر گئے جب مولبی عبدل گفور
راپھجی کو بوٹ دے سکتے نہیں ہم تو حجور
رافضی حضور

سنتے ہیں '' کرآن '' میں پھرما گئے تھے کھود رسول
قرآن فرما خود
دین کی جب بات تھہری دکھل دیدا ھے پھجول
دخل فضول

حاجی کطب‌الدین بھی کہتے تھے سچی ھے یہ بات
گیر مجھب والے کو لمبر بنانا باھیات
غیر مذھب ممبر واھیات
سیکھ جی مجھب تمہارا اور اُن کی اور جات
ذات
ھو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات
خدا
ھاں کوئی مجھب کا اپنے ھو تو اُس کو بوٹ دو
جب تمہیں موکا ملے ایسوں کو بھیا چوٹ دو
موقع

ان کو بز قصاب نے جب دے دیا سوکھا جواب
یہ اُٹھے دوکان سے مایوس باچشم پُرآب
اپنے ورکر سے کہا جا کر کہ سنئے تو جناب
آپ ھی تدبیر اب کچھ کیجئے اسکی شتاب
صرف کی پروا نہیں جو ھو مناسب کیجئے
شیخ جی کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کہ ووٹ دیں عبدالشکور
پھر لوتن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی
پھر لوتن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ‌دار
آنکھ میں سرمہ کٹی رتی ' گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھ میں اک پشت خار
زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہیں شہر شہر اور گاؤں گاؤں
پہونچے ورکر اُن کی خدمت میں بہ تعجیل تمام
دو روپیہ نذرانے کے دے کر کیا جھک کے سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام
چونکہ ہیں حضرت کی بعیت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور
آپ کی دعوت کا کل گھر پر کرونگا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالونگا وہیں پر وقت شام
تذکرہ ' میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین الطعام
آپ ان کو حکم دیدنگے تو ہو جائیگا کام
بولے لوتن شاہ با با خوش رہو نہ دعوت قبول ؟؟
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھہ لکھے
کیا عجب کافی ہوں یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے
کہیے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے
ساکنان شہراب ہشیار ہونا چاہئیے
ممبر اور ووٹر کا کچھہ معیار ہونا چاہئیے

فتنہ و عطر فتنہ اور حضرت ریاض خیرآبادی

منشی سجاد حسین مرحوم کا اودھ پنچ جس زمانے میں اپنے پورے شباب پر تھا اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد ریاض (خیرآبادی) کا ریاض الاخبار گورکھپور سے نکل رہا تھا - فتنہ و عطر فتنہ بھی ریاض الاخبار کے ساتھہ نکلا کرتے تھے ' فتنہ اپنے نام کے لحاظ سے فتنہ ہی تھا ' پوسٹ کارڈ سایز سے بھی کم ' ۱۶ صفحہ کی بساط ہی کیا ہے ' مگر جس شوخی اور جس لطیف طنز کے نمونے اس میں پائے جاتے ہیں ' اُس زمانے کے لحاظ سے اس کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے ' فتنہ '' کل قصیر فتنہ '' کا مصداق تھا اور ہر بزم ادب میں نہایت شوق سے پڑھا جاتا تھا ' حضرت ریاض ہی کا شعر ہے :—

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھہ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

'' فتنہ '' میں مختصر نثر کے شوخ اور ظریفانہ مضامین ہوتے تھے اور عطر فتنہ میں اُس زمانے کے شعرا کا منتخب کلام شایع ہوتا تھا - حضرت ریاض نے جب ریاض الاخبار حکیم برحم

مرحوم کے سپرد کیا تو اُسی کے ساتھہ فتنہ و عطر فتنہ
بھی حکیم صاحب مرحوم کو دیدیا ' حکیم صاحب نے کچھہ
دنوں کے بعد ریاض الاخبار بند کر کے '' مشرق '' نکالا اور فتنہ
و عطر فتنہ کو چند دنوں تک جاری رکھا ' فتنہ کے خاص لکھنے
والوں میں خود حکیم برہم مرحوم ' علي اصغر آزاد چشتي
اور ع - ک آزاد مرحوم تھے -- ان مضامین میں زیادہ تر
مقامي رنگ اور شباب و لذت نظر کا مظاہرہ ہوتا تھا - مگر
لطافت مذاق کا دامن کہیں سے چھتتا نہ تھا - حضرت ریاض
خیرآبادي کي شاعري جس خصوصیت کی حامل ہے
اس کي صحیح مثال اگر دیکھنا ہو تو فتنہ و عطر فتنہ کو
دیکھنا چاہئے - ان کي شاعري حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ '
رندانہ شوخی ' اور سوسائٹي کي زندہ دلي کا مظاہرہ ہے '
فتنہ و عطر فتنہ کے اوراق بھي پورے پورے طور پر انہیں
چیزوں کے حامل تھے ' اپنے اختصار ظاہري اور ہیئت تحویذي
کی مناسبت سے فتنہ کے مضامیں بھی فقرے ' جملے اور
چٹکلوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے لیکن اُن میں تیزي اور
نشتریت بلا کي تھي ' شاید اس سے زائد تفصیل و طوالت فتنہ
و عطر فتنہ کے قد و قامت کو پیش نظر رکھکر ' مناسب نہ
ہو ' لیکن اس کے روح رواں حضرت ریاض خیرآبادي کے شوخ
و رندانہ کلام کے کچھہ نمونے یہاں پیش کر دینا غالباً بےموقع
نہ ہو - حضرت ریاض کي شاعري مجموعي طور پر ایک
منفرد حیثیت رکھتي ہے خمریات کے سلسلے میں ان کي شوخي
و رندی کی لَے جہاں جہاں ذرا اونچی ہو گئی ہے وہاں طنز و

ظرافت کا بھی بہترین نمونہ بن گئی ہے - اِس طرح کے چار

اشعار ملاحظہ ہوں :—

اس طرح کل طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاض
ایک عصا تھامے ، عبا پہنے عمامہ باندھے

زمزمی سے جام مے میں گر پڑا پانی سوا
میری قسمت کی جو تھی وہ آج سب پانی ہوئی

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

سر بزم واعظ سے دبلا پڑا
وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بےاجازت شیخ
ذرا یہ سر جو ہلاوے ابھی سبو آئے

بیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دوکان سے آج

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو مَیخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھہ رہے یاد خدا میں

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھہ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھی گئے جاتے ہیں مردان خدا میں

عمر بھر ساتھہ فرشتوں کے نباھی کیسی
دیکھنا یہ ہے کہ دیتے ہیں گواھی کیسی

ہماری نظر شیخ پر حشر میں تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

گُناہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو
مرے سر ہیں بار گراں کیسے کیسے

اتنے لئے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو
پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے
واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصح مغفور ملے

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

سلطان حیدر جوش (علیگ) کی طنز میں فلسفیانہ ظرافت اور ظرافت میں فلسفیانہ طنز کا دلنشین عنصر بہت نمایاں ہے - اس قسم کی ظرافت اور طنز کی ابتدا ' اردو ادب میں ' کسی نہ کسی حد تک ' سلطان حیدر صاحب ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے - جوش غالباً پہلے لکھنے والے ہیں جنھوں نے اردو طنزیات اور مضحکات میں مغربی آب و رنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی - ان کی تحریر میں اسپیکٹیٹر کی نشتریت بھی کہیں کہیں نظر آ جاتی ہے گو اسپیکٹیٹر کی رعنائی خیال ' پاکیزگی بیان '

ژرف نگاهي ' ایجاز و اختصار اور بے ساختگي کا فقدان بھي ھے -
سلطان حیدر کھلے مشق انشاپرداز ھي نہیں بلکہ پختہ کار شخص
بھي ھیں - اُن کے خیالات میں بے ساختگي اور برجستگي کی
کمي کو اُن کا عمیق تجربہ اور عمیق‌تر احساس ذمہ‌داري پورا
کردیتا ھے - اُن کي تحریر میں غیرذمہ‌دارانہ فقرے بہت کم نظر
آئیں گے - یہہ ان کي انشاپردازی کا ممکن ھے کمزور پہلو ھو لیکن
ان کي شخصیت کا طرۂ امتیاز یقیناً ھے -

مضامین کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ھے :—

'' نئي دنیا نہ کہیں تھہري ھے نہ تھہرے گي - نئي روشني کا
انسان نہ کسي حد پر پہونچ کر رکا ھے نہ رکے گا ا وہ سب سے پہلے ایک
رقیق مادہ کی شکل میں ظاھر ھوئي - گردش میں اپني پہلي جگھہ
سے شرارہ کي طرح علحدہ ھوئي اور کچھہ فاصلہ پر قایم ھوکر خود
چکرانے لگي - پھر اس سے ایک شرارہ نکل‌کر چاند بنا اور ؟ اور کیا وہ
ٹھنڈی ھوئی - اس پر ھواؤں کے طوفان آئے ' نامتناھی بارش کا سلسلہ
جاری ھوا - وہ سخت ھوئي ' اس پر چھلکا بنا ' دریا پیدا ھوئے '
پہاڑ نظر آئے - درخت وجود میں آئے عجیب‌الخلقت مخلوق
اس پر حاوی رھی - مگر وہ برابر اپنا روپ بدلتي رھي ' بدل رھي ھے
اور بدلتي رھیگي - یعني انسان پروتوپلازم کـي ترقي‌یافتہ
صورت پہلے ایک مادہ تھا ' پھر اُس میں احساس پیدا ھوا ' پھر
نمو شروع ھوئي ' پھر حیوان بنا اور نئي نئي پوشاکیں پہنتا
ھوا بندر کے تمام مدارج طے کرکے انسانیت میں قدم‌زن ھوا
اور رھےگا - نہ اُس کو قرار نہ اُس کو چین - یہہ بندر سے
انسان بننے والي مخلوق اب انسانیت کے مدارج طے کر رھي ھے
اُس کے بعد کوئي نہیں کہہ سکتا کہ ترقي کے زینہ میں کہاں

پہنچےگي ! بہت ممکن هے کہ وہ بندر جو خوش قسمتي سے اب تک انسان نہیں بنے هیں ہنستے هوں اور حضرت انسان کي کشمکش دیکھکر انسانیت کے نام سے کانوں پر هاتھہ دھرتے هوں - مگر یہہ ایک فیکٹ هے اور اس سے انکار خدا کے وجود سے انکار سے زیادہ ناقابل معافي گناہ اور حماقت هے ا

باوا آدم کی اولاد انسان تو همیشه سے انسان هي هے - انسان کے علاوہ کسي اور روپ میں نہ وہ کبھي جلوہفگن هوا اور نہ آئیندہ هونے کي اُمید رکھتا هے ا

انسانیت کے دائرہ سے اس نے نہ کبھي قدم باهر رکھا نہ رکھےگا ! اس لئے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع هو جاتا هے ' رک جاتا هے اور اپنے مذهب یا عقیدہ کو اپني زندگی کے لئے بلکہ هر ایک آنے والي نسل کي زندگي کے لئے کافي مان لیتا هے - اس کا خاص خیالات سے تجاوز نہ کرنا کچھہ بھي تعجب نہیں - مذهب اس کو مانع ' خدا اس کو مانع ' لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھي کسي زمانہ میں نہیں کرسکتا !

مگر پروتوپلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا ' بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھہ بننے کے لئے تیار انسان نہ کہیں تھرا هے نہ تھہرنا چاهتا هے ' نہ تھہرےگا - ترقي ایک لامحدود چیز هے اور زمانہ برابر بڑھے جانے والی شے - خیالات تبدیل هونے والي چیز اور تہذیب زمانہ کے موافق منقلب ! لہذا نئي روشنی کے انسانوں کے لئے کوئي روک نہیں ! یہ امید رکھنا کہ بغیر کسي عقیدہ مذهبی کے وہ خود بخود تہذیب کي حد سے نہ گذرےگا " اسي قدر لغو هے جس قدر کہ مہمل........"

'' سنسر ''

''..........کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ھیں !
ھر چیز ترقي کے رنگ میں کیلنچلی اُتارتے رھنے کي عادي
ھے سنسر کي شخصیت نے بھي زمانہ کے قدم بقدم چل کر
حسب حاجت ھمیشہ نئے قالب اختیار کئے ھیں ! جس وقت
سے اسکول اور نئی یونیورسٹي نے جنم لیا ' سنسر کی ذات
نے بھي اس دائرہ میں شکل ممتحن میں جلوہ فرمایا -
جس قدر تعلیم کي تیز روشني کے ساتھہ طلبا کي تعداد بڑھتي گئي
اِسی نسبت سے جزو سنسري ممتحن کی ذات و صفات پر
غالب آتا گیا - چنانچہ فی زمانہ اگر تعلیم اس حد پر
پہنچ گئي ھے کہ قلی بھي انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا
جاتا ' تو ممتحن کا فعل قطع و برید بھی اس درجہ بڑھہ گیا ھے
کہ اگر سو لڑکے اِنٹرنس میں شامل ھوں تو ام اے پاس کرنے
تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائیگي اور اگر اس
سے آگے قدم........بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کي جوع
قطع و برید کو سیر کرنے کے لئے فردوس بریں کے رھنے والے
تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف
لیجاکر شریک امتحان ھونگے !

''..........ھر چیز کے لئے ایک خاص حد مقرر ھے
اور جب کوئي چیز اپني حد مقررہ سے متجاوز ھو جاتي ھے تو
سنسر کی ذات قاطع ' موزوں شکل میں جلوہ گر ھو کر ضروری
اصلاح کا فرض پورا کر دیتی ھے - انساني آبادي ھمیشہ
رو بترقي ھے اس لئے جب کبھی اور جہاں کبھی یہ آبادی
مردم‌شماري کے معین حدود سے بڑھہ جاتی ھے فوراً حسب

رفتار ترقي اس کی قطع و برید ہو جاتي ہے! "حسب رفتار ترقي" سے یہ مطلب ہے کہ جس حصہ ملک میں دو افراد انساني کی باھمی کوشش سال بھر میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وھاں سدسر کي روح محض وبائی موسمی رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قلع و قمع کرکے اعداد کي اصلاح کر دیتي ہے اور جس طبقہ مردم‌خیز میں ایک اور ایک ملکر گیارہ ہو جاتے ہوں وھاں سدسر کي ذات بھي جنگ تباہ‌کن کي شکل میں بلائے آسماني کي طرح نازل ہو کر درجن کے درجن لمحوں میں فنافي‌الحرب کر ڈالتي ہے......"

شوکت تھانوي اور ملا رموزي کا انداز تحریر تقریباً ملتا جلتا ہے - یہاں ملا رموزي کے اس رنگ سے بحث نہیں ہے جو انھوں نے ابتدا میں گلابی اُردو کے تحت میں اختیار کر رکھا تھا - گلابي اُردو کي تشریح نازش رضوی صاحب نے یوں کي ہے :

" گلابي اُردو میں ملا رموزی صاحب نے مشہور فارسی ' عربی ضرب‌الامثال ' اشعار اور مقولوں کے اُردو ترجمہ میں اپني اجتہاد و تصرف سے جو ندرت و شگفتگی پیدا کی ہے وہ ادبیات اُردو میں زعفران‌زار کي حیثیت حاصل کر چکی ہے - "

ملا رموزي نے وہ رنگ اب تقریباً ترک کر دیا ہے - ان کا موجودہ انداز تحریر اور موضوع ایک حد تک عام‌پسند اور عوام‌پسند دونوں ہے - شوکت تھانوي کے مضامین کا اُتھان اور لب و لہجہ بھی ملا رموزی کي طرح قطعاً بازاري تو نہیں لیکن " روزمرہ " ضرور ہے - جزیات کے دونوں امام ہیں -

خوب سوجھتی ہے لیکن کہنے کا انداز بسا اوقات ضرورت سے زیادہ عُریاں اور بے جھجک ہوتا ہے - ملا رموزی کی اُردو میں شگفتگی اور برجستگی بھی ہے ' شوکت تھانوی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح اُردو لکھہ ضرور لیتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں اُن کو کوشش بھی کرنی پڑتی ہے - یوں سمجھہ لیجئے رموزی لکھتے ہیں اور چھپوا دیتے ہیں ' تھانوی سوچتے ہیں ' لکھتے ہیں ' مسودہ صاف کرتے ہیں اس کے بعد چھپواتے ہیں -

شوکت میں '' شگفتگی '' ضرور ہے لیکن ابھی '' شگفتہ نگاری '' پر پوری قدرت حاصل نہیں ہوئی ہے - اس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ انہوں نے مطالعہ پر کافی وقت نہیں صرف کیا ہے ' لکھنا بغیر پڑھنے کے نہیں آتا ' اور پڑھنا بغیر لکھنے کے بےکار ہے - ملا رموزی کی تحریر میں اتنی پختگی ہے کہ آئندہ اس میں اصلاح یا ترقی کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی ' شوکت میں ابھی ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں - یہی نہیں ' اگر وہ ترقی کی کوشش نہیں کرینگے تو بہت ممکن ہے ان کی شخصیت اور انشاپردازی دونوں خطرہ میں پڑ جائیں - اُن کو ابھی سے خرمن جمع کرنے کی فکر دامنگیر معلوم ہوتی ہے حالانکہ ابھی اُن کی کھیتی لہلہانے بھی شروع نہیں ہوئی ہے -

شوکت تھانوی کے بعض مضامین کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

'' ....اس وقت تمام مہذب اقوام کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کو مہذب ثابت کرنے کے لئے کتا ضرور ہمراہ رکھتی ہیں - کوئی جنٹلمین بغیر کتے کے کبھی مکمل جنٹلمین نہیں ہو سکتا - کوئی لیڈی بغیر کتا بغل میں دبائے کبھی لیڈی

نہیں ہوسکتی ' کوئي موٹر بغیر کتے کے موٹر نہیں ہوتا اور
کوئي مکان بغیر کتے کے دولتخانہ نہیں ہوتا -

ہندوستانیوں کي جہالت پر تو خیر رونا آتا ہے لیکن یورپ
اور امریکہ کي تہذیب ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں ہر معزز آدمی
کی شناخت صرف یہ ہے کہ اُس کے سر پر ' گود میں ' آگے پیچھے '
اِدھر یا اُدھر ایک ہانپتا ہوا زبان نکالے دُم ہلاتا ہوا کتا ضرور
ہو اور اگر کسی مغربی آدمي کے ساتھہ کتا نہ ہو تو اس کے
متعلق یہ بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ آدمي بھي ہے
یا نہیں اور اگر آدمی ہے تو یوں ھي سا ہے - مغربي خواتین
کا یہ حال ہے کہ بغیر کتے کے ان کو لطف زندگي ھي نہیں
حاصل ہوتا - جب تک ان کے نرم اور معطر آغوش میں ایک پلّا
نہ دبا ہو وہ اپنے عدم اور وجود کو یکساں سمجھتي ہیں اور
اگر پلّا دبا ہوا ہے تو اُس سے ایسي محبت کرتی ہیں کہ انسان
اس پر رشک کرے - اُسے اس طرح چومتي چاٹتی اور دبوچتی
ہیں کہ ان کے عشاق کتا بن‌کر نہ پیدا ہونے پر فطرت سے
شاکي ہو جاتے ہیں یا کتا بن جانے کے لئے دست بدعا ہو
جاتے ہیں ورنہ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آئي ہے کہ
محبوبہ کے کتے کو موقع پاکر محبت سے اٹھا لینا ایک قسم کي
" تقریب کچھہ تو بہر ملاقات چاھئے " ہوا کرتي ہے........
قدر سگ انگریز داند یا بداند اس کي میم "

"......اس ڈبے میں بیٹھنے کو تو بیٹھہ گئے لیکن دل
بار بار یہي چاھتا تھا کہ کسي طرح سر کي ترکی ٹوپي ہیٹ
بنجائے اور شیروانی ایک ایسا کوٹ جو پاجامے کو بھي پتلون

بتادیا کرتا ھے اس لئے کہ اس جسارت کے بعد یہ خوف تو
بہرحال دل میں موجود تھا کہ کہیں اس تھرڈ کلاس کي جلمت
سے ھم کو ابن آدم سمجھکر نکال ندیا جائے یہ تو بہت آسان تھا
کہ ھم وقتي طور پر بجائے مسلمان ہونے کے عیسائي بن جاتے
لیکن اس لباس کا کوئی علاج ھمارے ذھن میں نہ تھا جو کبھي
مذھب نہیں تبدیل کرتا - ھمارا خوف بیجا نہ تھا اور
بیجا کس طرح ھوتا جب کہ ھم خود حق بجانب نہ
تھے - نہ تو ھم انگلو انڈین تھے نہ صرف ' انگلو ' بلکہ
محض " انڈین " تھے لہذا حق بجانب بھي نہیں ھو سکتے
تھے - تھوڑي دیر کے بعد گارڈ نے ھم کو نکل جانے کا حکم دیا جس
کو ھم نے اس طرح سنا گویا سمجھے نہیں اور وہ سمجھا کہ ھم
سمجھہ گئے - مگر گاڑي کي روانگي سے دو منٹ قبل ھم کو پھر اردو
زبان میں نکل جانے کے متعلق سمجھایا گیا جس کو ھم نے سمجھنے
کي کوشش نہیں کی - گارڈ صاحب نے بہت سے " کریو میں "
ھم پر تعینات کئے کہ وہ ھم کو نکال دیں لیکن ھم نے اسمبلي
کے تمام واقعات پر روشني ڈالتے ھوئے ایسي مدلل بحث کی کہ
گاڑی نے سیٹي دیدي - اس آخری وقت میں گارڈ صاحب کے دل میں
تو نہیں معلوم کہ کونسا انتقامي جذبہ پیدا ھوا ھوگا لیکن انھوں نے
کیا صرف وہ جو ھم لوگ خود اپنے بچپن میں کیا کرتے تھے یعني ڈبہ
میں داخل ھو کر روشني گل کردي . . . . میرے منھہ سے نکل گیا -

تو مشق ناز کر سارا اندھیرا میرے ڈبے میں -

اپنے بچے اور غالباً دوسروں کے والدین کو شاھکار کا مفہوم
تلقین فرماتے ھیں -

"آج کا موضوع شاهکار هے - یه ایک لفظ هے جس کو تم
انساني نام سمجھے - یه کسي انسان جانور جگه یا چیز کا نام
نهیں هے - بلکه ایک لفظ هے جسکو انگریزي میں "ماسٹر پیس"
Master piece کہتے هیں اور جس کا تهوڑا بهت مفهوم لفظ ' کارنامه '
سے ادا هوتا هے اس لفظ کے معني هیں کاموں کا بادشاه اس لئے
که "کار" کہتے هیں کام کو اور اگر "کار" کے معنی موٹرکار
لئے جائیں تو شاهکار کے معنی هونگے "مسٹر فورڈ" لیکن
چونکه یہاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث هے لهذا اس کار کے
معني هیں کام اور جب اس میں شاه لگا دیا گیا تو یه هو گیا
شاه کام یعني کاموں کا شاه - اس کو اس طرح سمجھو که مثلاً
تمنے اپني مختصر زندگي میں سب سے بڑا کام یه کیا هے که
اپنی هوائي بندوق سے فاخته مار ڈالی - اس فاخته کے شکار کو
تم اپنا شاهکار کہه سکتے هو - اسی طرح میرے شاهکار تم خود
هو ' مہاتما گاندھي کا شاهکار چرخه هے - مولانا محمد علي کے
شاهکار مولانا شوکت علي هیں ' انگریزوں کا شاهکار کنگ پرائمر
هے ' هندوستان کا شاهکار تاج محل هے ' تاج محل کا شاهکار مولانا
سیماب هیں مولانا سیماب کے شاهکا ساغر نظامي یاراز چاند پوري
هیں ...."

مرزا عظیم بیگ چغتائي بحیثیت ایک ظرافت نگار کے اردو
ادب میں "نوخیز" هیں - یہاں اُن کے مصنف هونے کي حیثیت
معرض بحث میں نهیں هے - اس کا اعتراف نہایت بلند آهنگي
کے ساتھه انهوں نے خود کیا هے جس کي داد نه دینا کم ظرفي
بهي هے اور بدمذاقي بهی ' مثلاً فرماتے هیں '

"میں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں ۔ مصنف ہونا میرے لئے کوئی نئی بات نہیں جب نویں جماعت میں تھا تو "قصر صحرا" لکھی جب انٹرنس پاس کیا تو قصر صحرا کا حصہ دویم لکھا اور جب بی اے میں آیا تو موجودہ پردہ کی بدعت کے خلاف پبلک کے سامنے "قران اور پردہ" کو پیش کیا........مجھے کچھہ اپنے طرز تحریر اور زبان کے بارہ میں بھی کہنا ہے - میرے تمام افسانے اوریجنل ہیں ، واقعات سے پُر ، بحمد اللہ میرے تمام افسانوں کے ہیرو بقیدحیات ہیں ، تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں اور کسی افسانہ میں افسوس کہ میں مشہور یوروپین یا امریکن افسانہ سے کچھہ بھی نہیں لے سکا........"

مرزا چغتائی نے مذاقیہ مضامین لکھنا نسبتاً حال ہی میں شروع کیا ہے اور یہ کہنے میں بمشکل کسی کو تامل ہوگا کہ اپنے انداز میں وہ قطعاً منفرد اور قطعاً کامیاب ہیں ، ان کا یہ ادعا کہ "تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ہیں" جتنا صحیح ہے اتناہی مبارک اور مستحسن ہے ، اور یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر میں ان کی شخصیت اور انفرادیت بدرجہ اتم نمایاں ہے - "واقعات" اور "معاشرت" کا سہل ، سادہ اور دلچسپ رنگ ان کی تحریر اور طرز تحریر دونوں پر چھایا ہوا ہے. ان کی تحریر سادہ ہے لیکن "سپاٹ" یا بے رنگ نہیں ، یہ ان کے خلوص اور "ہمدردی" کا ثبوت ہے اور ثبوت ہی نہیں بلکہ فیضان بھی - ان کی تحریر میں کہیں ژولیدگی یا کیفگی نہیں پائی

جاتي ' ہمیشہ نہیں تو کبھی کبھی یہي زہرناکي اور کیلنگي '
کمیلنگي یا کم ظرفي میں تبدیل ہوجاتي ہے ' طنز یا ظرافت
بڑی خطر ناک سر زمین ہے ذرا لغزش ہوئي اور لکھنے والا
کہیں کا نہ رہا -

مرزا چغتائی کي رگ و پے میں مشرق اور مشرقیت سرایت
کئے ہوئے ہے ' ان کو اردو لکھنے پر کافي قدرت ہے - اپنی ان
دونوں حیثیتوں پر وہ کبھي ظلم نہیں کرتے اور یہي سبب ہے
کہ ان کے الفاظ اور مفہوم دونوں میں بے ساختگي اور شگفتگي
ہوتي ہے - اس بے ساختگي اور شگفتگی میں ایک خفیف
سي جھلک " قلندرانہ پن " کي بھي ہے جس کو حسن یا قبح
دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن امید ہے کہ سن و سال کا
بار حشو و زوائد کو زائل کردے گا اور یہ دیوار قہقہہ
کبھي نہ کبھي تاج محل بنکر رہیگی - بشر طیکہ آئیندہ وہ خود
اپني تصانیف کا مقدمہ نہ لکھا کریں جس کا حوالہ ابتدا میں
دیا گیا ہے !! امید ہے کہ رسالوں کے مختلف اور بے شمار اڈیٹر
صاحبان بھی ان پر رحم فرمائیں گے کیونکہ مرزا صاحب کي
مروت ان کو " بسیار نویسي " پر مجبور کرتي ہے اور بسیار نویسی
کا دوسرا نام کم سے کم صحیفہ ظرافت میں لغویت بھي ہے !!

بعض نمونے حسب ذیل ہیں -

الشذري :—

"..........حج سے پہلے وہ چودھري صاحب تھے اور حج
کے بعد الحاج الشذري الہفي........ان کي تمام کوششیں
اپنے کو عرب بنانے میں بالکل اسی طرح ضائع جاتي تھیں جس
طرح بعض دیسي عیسائي کوٹ پتلون پہنکر غلط اُردو دیدہ

دانستہ بولتے ھیں اور غلط انگریزي مجبوراً اور نہ پر تہ سفید پاؤڈر کی لگاتے ھیں مگر حقیقت نہیں چھپتی اور بعینہ یہ معلوم ھوتا ھے کہ جس کمرہ میں قلعي ھوتي ھے اسمیں کسی زمانہ میں ضرور باورچي خانہ تھا نہ یورپین انٹر میں بیٹھنے سے کام چلتا ھے اور نہ یورپین نرخ پر چائے خریدنے سے - فرض یہي حالت چودھری صاحب کی تھي کہ عرب بننے کي تمام کوششیں رائگاں جاتي تھیں.........بھائي شفری نے کہا " ارے میاں عربي بولنا اور سمجھنا اسقدر آسان ھے کہ ھر وہ شخص جو ھماري تمہاري طرح اُردو جانتا ھے اور فارسي میں قدرے دخل رکھتا ھے بڑي آسانی سے عربي بول اور سمجھہ سکتا ھے ....کچھہ نہیں صرف معمولي اُردو میں مِنَل - وَلَ - آل - کُم - وغیرہ لگاؤ بس عربي ھوگئي........"

عراق میں ایک ناؤ ایسي بھي ھوتی ھے جیسے گول پیالہ - خوش قسمتي سے ایسي ھي ناؤ ملی - میں تو چپ کھڑا رھا اور چودھري صاحب نے ھندوستاني عربي یا بالفاظ دیگر عراقی اُردو میں ملاح سے بات چیت شروع کردی - خدا معلوم انھوں نے کیا کہا اور ملاح نے کیا سمجھا - مگر نتیجہ اس گفت و شنید کا یہ ھوا کہ ھم دونوں ناؤ میں بیٹھہ گئے اور دریا کي سیر ھونے لگي - اس ناؤ کي تعریف کے چودھري صاحب نے پل باندھہ دئے ' کہنے لگے کہ اس ناؤ میں ایک خاص بات یہ ھے کہ گرداب میں پڑکر بھي نہیں ڈوبتي - میں نے تعجب ظاھر کیا تو اُنھوں نے کہا دیکھو ابھي اسے گرداب میں لے چلیں گے تاکہ تم خود دیکھہ لو میں نے کہا خدا کے واسطے رحم کیجئے - مجھکو ذرہ بھر شک نہیں آپ

سچ کہتے ہیں اور مجھکو تسلیم ھے کہ یہ کمبخت ناؤ حضرت نوح کي کشتي کا مقابلہ کرلے گي مگر وہ نہ مانے پر نہ مانے بیچ دریا کے بہاؤ سے ذرا ھٹ کر بڑے زور شور سے بھنور پڑ رھا تھا جسکو دیکھنے سے ڈر لگتا تھا - چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقي اُردو بول رھے تھے - چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے - لہذا تمام تر دریا کي گہرائي پر گفتگو ھو رھي تھي - اب ملاح سے اُنھوں نے اس خوفناک بھنور کي طرف انگلي اُٹھا کر کہا "غریق کشتی من الگرداب" لفظ گرداب پر انگلي سے بھنور کی شکل بنائي اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اِشارہ کیا - میں نے کہا خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کرو مگر وہ میري سنتے ھي نہ تھے "ٹھہرو جي" کہکر انھوں نے میرا ھاتھہ جھٹک دیا - ملاح نے نہ معلوم انسے کیا کہا جسکو یہ قطعی نہ سمجھے ھونگے - مگر بات چیت بھلا کیسے رک سکتي ' عربي میں فارسي اور انگریزی تمام الفاظ بولتے چلے جاتے خواہ کوئي سمجھے یا نہ سمجھے انکی بلا سے - نتیجہ یہ نکلا کہ میں چیختا پیٹتا رہ گیا اور ملاح نے تیزي سے کشتي لے جا کر گرداب میں ڈالدي .... اب چودھري صاحب کو بھي چکّر آئے .... میں تو سر پکڑ کر بیٹھہ گیا اور زور سے چلایا کہ خدا کے واسطے ناؤ روکو چودھري صاحب اس خیال میں تھے کہ جب جي چاھے گا رکوا لیں گے - چنانچہ اب اُنھوں نے خود ڈگمگاتے ھوئے ' ملاح سے کہا "ایہاالشیخ شدۃالمن الرقص - اخرج علي الگرداب" بانگڑو ملاح واللہ اعلم سمجھتا بھی ھوگا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ہیں اور پھر الشذری اور خود اسکے

عربی کپڑوں کي پھڑ پھڑاھٹ اور دریا کا شور اور پھر لتو کي طرف ناؤ کي گردش سمجھنا تو درکنار نہ معلوم ملاح نے سنا بھي کہ نہیں - اس نے نہ سنا اور نہ سمجھا اور نہ سننے یا سمجھنے کی کوشش کي اور اللہ کا نام لے کر دانتوں سے اپنے هونٹ دبا کر "ایاغ" کہہ کر زور سے پتوار پاني میں ڈالکر ناؤ کو اور بھي گھن چکر کر دیا .... میں سجدہ میں پڑا بجائے سبحان ربي الاعلي کے چلّا رہا تھا خدا کے واسطے نکا لو ادھر اب الشذري بو کھلا کر چلائے "شدۃالمن الرقاصہ ابے ایہاالشیخ" - "خدا کے واسطے اخرج من الگرداب - ارے مرا" ؟ میں پھر چلایا "ھائے مرا" اُدھر اس ناھنجار ملاح نے ایک مرتبہ اور پانی میں پتوار ڈالکر زور سے چکر کي تیزی میں اضافہ کر دیا .... چودھری صاحب نے اب وھاں دھائی تہائي دینا شروع کردی اور میں پڑے پڑے ان کوششوں کي داد دے رہا تھا وہ چلا رہے تھے "ابےنالائق شیخ برحمتک .... کم بخت اشدۃالمن الرقص .... ارے اخرج .... من الگرداب ارے موذي ناؤ نکال" چکراکر وہ پھر میرے اوپر گرے میں نے آنکھ کھولکر دیکھا - ساري دنیا گھوم رهي تھي - چودھری صاحب نے پھر دھاڑ کر کہا "ایہاالشیخ .... ابے الو......... ابن الالو والخنزیر .... قسم خدا کي........... واللہ .... ارے بھئي شیخ ارے اشدۃالمن الرقص.........ارے مرے........ ابے روک .... روک .... ارے نکال .... یا اللہ .... ابے ایہاالشیخ من الموذي اخرج من الناؤگرداب .... نالائق .... بدمعاش .... واللہ بھئي شیخ ....
مگر توبہ کیجئے بھلا ان باتوں سے کہیں ناؤ رکنے والي تھي !

سر پٹک پٹک ہم دونوں بیہوش ہوگئے -

نہ معلوم کتنے دیر بعد آنکھہ کھلی تو اپنے آپ کو دریا کے کنارے بےبس پایا - مارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا ' نہ طاقت رفتار تھی نہ طاقت گفتار.........بھائی شذری نہ معلوم کس طرح اُٹھہ کر کھڑے ہوئے کہ چاروں شانے چت گرے اور اِدھر وہ نابکار ملاح ہنس رہا تھا اور اپنی مزدوری کا طالب تھا........ جب ایک فارسی داں حضرت کا اُدھر سے گذر ہوا تو معاملہ صاف ہوا - ادھر الشذری نے ملاح کی شکایت کی کہ ہم دونوں کو اسنے ناؤ میں چرخ دے کر ادھمرا کر دیا اور پھر مزدوری مانگتا ہے ' اُدھر ملاح نے کہا کہ " ایسے لوگ بھی کم دیکھنے میں آئے ہونگے کہ مارے چکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی کہتے تھے کہ ناؤ کو شدت کے ساتھہ رقص کراؤ ' میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے "

" ارے کمبخت چودھری " میں نے مری ہوئی آواز میں کہا یہ " تمہاری عربی میری جان لے گی یاد رکھو اگر میں مر گیا تو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا '

" شاطر کی بیوی "

" .... آپ بھی عجیب آدمی ہیں " خاں صاحب نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا ' آپ شطرنج نہیں کھیل سکتے .... لکھہ لیجئے کہ آپ کی " گھر میں " آپ کا شطرنج کھیلنا موقوف کرادیں گی .... آپ نہیں کھیل سکتے "

"یہ آخر کیوں ؟"

"خاں صاحب بولے " لکھہ لیجئے .... بندہ خاں کی بات یاد رکھئے گا لکھہ لیجئے "

"آخر کیوں لکھہ لوں ؟ کوئی وجہ ؟"

" وجہ یہ " خاں صاحب نے اپنے داھنے ھاتھہ کی مٹھی زور سے بائیں ھاتھہ کی ھتھیلی پر مار کر کہا " وجہ یہ کہ معاف کیجئے گا - آپ زن مرید ھیں .... زن مرید ادھر وہ جائیں گی اور ادھر آپ .... " (انگلی گھما کر نقل بتاتے ھوئے خاں صاحب نے کہا) ھائے جورو ! ھائے جورو ! ...... ایسے کہیں شطرنج کھیلی جاتی ھے ! لاحول ولاقوۃ "

میں نے طے کر لیا کہ خانم سے اس باب میں قطعی سخت لڑائی ھوگی ' میں نہیں دبوں گا - یہ میرا شوق ھے ' انہیں ماننا پڑے گا -

---

" تین چار روز تک خانم سے سخت ترین جنگ رھی یعنی خاموش جنگ اُدھر وہ چُپ ادھر میں چُپ - خانم کی مددگار استانی جی اور میرے مددگار خاں صاحب ' پانچویں دن یہ شطرنج دوبھر معلوم ھونے لگی - میری سپاہ کمزوری دکھا رھی تھی - جی تھا کہ اُلٹا آتا تھا خاموش جنگ سے خدا محفوظ رکھے ' ایسا معلوم ھوتا تھا کہ جیسے گیس کی لڑائی ھو رھی ھے ' غنیم کا گیس دم گھونٹے دیتا تھا - خاں صاحب طرح طرح کے حملے تجویز کرتے تھے مگر جناب اس گیس کی لڑائی میں کوئی تدبیر نہ چلتی تھی خاں صاحب ماھر فنون جنگ تھے مگر جرمن گیس کا جواب توپ اور بندوق نہیں دیسکتی - یہ انہیں معلوم نہ تھا وجہ یہ ھے کہ

وہ پرانے زمانہ کی لڑائیاں لڑے ہوئے بیچارے کیا جانیں کہ خاموشی کا گیس کیا بلا ہوتي ہے - میری کمزوری پر دانت پیستے تھے کہتے تھے ، " نہ ہوا میں .... دکھا دیتا ! "

" خاں صاحب اول تو خود جنگی آدمی اور پھر جنرل بھی اچھے - مگر جناب جب سپاہی ہمت ہار جائے تو جنرل کیا کرے - چھہ دن گذر گئے اور اب میں جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا -

بہت کوشش کی بہت ہمت کی مگر ہار ہی گیا - شرائط صلح بھی بہت خراب تھیں - شاید معاہدۂ ورسلیز جس طرح ترکوں کے لئے ناقابل پذیرائی تھا اسی طرح میرے لئے بھی مگر بقول کسے بزور شمشیر و بنوک سنگین مجھکو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑے اور صلحنامہ کی سخت شرائط ذرا ملاحظہ ہوں -

(۱) خاں صاحب سے تمام تعلقات دوستی منقطع کر دونگا وہ گھر پر آئینگے تو کہلوا دونگا کہ نہیں ہوں - ویسے حصہ وغیرہ ان کے ہاں جائیگا اور آئے گا ،

(۲) شطرنج کھیلنا بالکل بند - اب کبھی شطرنج نہیں کھیلونگا - خصوصاً رات کو تو کھیلونگا ہی نہیں -

(۳) شطرنج کے علاوہ تاش بھی نہیں کھیلونگا سوائے اتوار کے - رات کو وہ بھی نہیں -

(۴) رات کو دیر کر کے آنا شطرنج کھیلنے رہ جانے کے برابر متصور ہوگا کوئی ثبوت لئے بغیر تصور کر لیا جائیگا کہ شطرنج کھیلی گئی کوئی عذر تسلیم نہ کیا جائے گا -

پانچویں اور چھٹی شرط میں خود بیان کرنا پسند نہیں کرتا - ساتویں شرط یہ تھی کہ اگر اس معاہدہ کی پابندی نہ کی گئی تو "تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش"

خاں صاحب سے میں نے اپنی شکست اور شرائط صلح کا ذکر صاف صاف تو نہیں کیا مگر اتنا ضرور تسلیم کیا کہ مہرے برابر استانی جی کے لڑکے سے چروائے جاتے رہے - پھر صلح کا ذکر کیا - خاں صاحب تجربہ‌کار آدمی تھے - دانت نکالکر انھوں نے ران پر ھاتھہ مار کر پہلے دنیا بھر کی لڑاکا بیویوں کو گالیاں دیں اور پھر کہا "میاں لمڈے ہو، مجھہ سے باتیں بنانے آئے ہو، بیوی کی جوتیاں کھا رہے ہو - .... شطرنج کھیلیں گے ... ... یہ شطرنج ہے! ھونہہ .... سر پکڑ کر روؤگے .... گھر والی کو اتنا سر پر نہیں چڑھاتے .... تو جانو تمہارا کام .... جب کبھی ملاقات ہوئی علیک سلیک کر لی بس لکھہ لو ...."

خاں صاحب کی گفتگو سے کچھہ پھریری سی آئی - گھر میں آیا تو خانم کو پھول کی طرح کھلا ہوا پایا، لاحول ولاقوۃ!

• پطرس • (اے اس بخاری) -

پطرس اور "پطرس کے مضامین" دونوں کا تعارف کتاب کے دیباچہ سے ہو جاتا ہے -

"اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھہ پر احسان کیا ہے، اگر آپ نے کہیں سے چرایا ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں، اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھکر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں -

ان مضامین کے افراد سب خیالی ہیں حتی کہ جن کے لئے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے - وہ بھی ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہے آپ تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی - ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا ہرج ہے -

جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اُس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں ""

یہ دیباچہ نہیں غزل ہے اور جو شخص ایسی غزل لکھہ سکتا ہے اس کے سارے قصور معاف کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ غلط اُردو ہی لکھتا کیوں نہ ہو!

پطرس بالعموم غلط اُردو نہیں لکھتے خاص خاص مقامات پر اُن کو متشابہ ضرور لگتا ہے جہاں کے اُردو کو مقامی رنگ دے جاتے ہیں - اُن کی اُردو اکتسابی ضرور ہے لیکن ظرافت قطعاً وہبی ہے - پنجاب میں اچھی اور صحیح اُردو لکھنے والے سر عبدالقادر، سر اقبال اور ظفر علی خاں ہیں پطرس اچھی اُردو اب بھی لکھہ لیتے ہیں اور یقین ہے کہ سر بننے یا جیلخانہ جانے سے پہلے وہ صحیح اُردو بھی لکھنے لگیں گے!

پطرس کی ظرافت کا آرٹ الفاظ میں نہیں واقعات میں ہوتا ہے - اُن کی تحریر فضا پیدا کرتی ہے نہ کہ نغمہ، پھر یہ بھی ہے -

نغمہ اندر تست اندر نغمۂ داؤد نے

پطرس کی ظرافت "اکتسابات" میں پھلی پھولی معلوم ہوتی ہے لیکن اُردو کی فضا میں پہونچکر رنگینی اور رعنائی کے اعتبار سے دو آتشہ ہو گئی ہے!

پطرس اگر برابر لکھتے رہے اور مرزا عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ نے لکھنا کم کر دیا تو یقین ہے کہ اردو ادب میں ظرافت کا عنصر بغایت وقیع ، بغایت دلکش اور بغایت مہتمم بالشان ہو جائے گا اور شاید ایسا کہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہ ملسکے !

بایں ہمہ جہاں تک طنز یا ظرافت کا تعلق ہے " مضامین پطرس " ارض پنجاب میں دیوان غالب کی نہیں تو " مرقع چغتائی " کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں ا

بعض نمونے حسب ذیل ہیں ،

کتے :—

" .... کل ہی کی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گد گدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا ایک آدہ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا - پھر تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ، ایک حلوائی کے چولھے میں سے باہر لپکے اور بھنّا کے پوری غزل مقطع تک کہہ گئے - اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نے زوروں کی داد دی ہے - اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ نہ پوچھئے ، کمبخت بعض تو دو غزلے سہ غزلے لکھ لائے تھے - کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑھ ڈالے وہ ہنگامہ گرم ہو کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا - ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ " آرڈر آرڈر " پکارا لیکن ایسے موقعہ پر وہاں کسی کی کوئی نہیں سنتا .... "

.... چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے کاٹنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا - یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا - اگر ایسا سانحہ کبھی پیش آیا ہوتا تو اس سرگذشت کی بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا تاریخی مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو " لیکن '

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگِ رہ بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مصر ہیں سمجھ لیجئے ہم قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھی تو کچھ نرالے ہیں یعنی ایک تو متعدی مرض ہے اور پھر بچوں بوڑھوں سبھی کو لاحق ہے - اگر کوئی بھاری بھرکم اسفند یار کتا کبھی کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی ' چار وناچار کہدیں کہ بھئی بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اسکو زنجیر سے بندھا ہونا چاھئے) لیکن یہ کمبخت دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلّے بھی تو بھونکنے سے باز نہیں آتے - باریک آواز اتنا سا پھیپھڑا اس پر بھی اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں کہ آواز کی لرزش دم تک پہنچتی ہے .... کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کے ان کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کر دیتی ہے ' خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک پورا خفیہ جلسہ باھر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے تو آپ ھی کہئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں ؟ - ہر ایک کی

طرف باري باري متوجه هونا پڑتا هے۔ کچهه ان کا شور کچهه همارى صدائے احتجاج (زير لب) بےڈهنگے حرکات و سکنات (حرکات ان کي سکنات همارے) اس هنگامے میں دماغ بهلا خاک کام کر سکتا هے ؟ .... بهر صورت کتوں کي یه پرلے درجے کي نا انصافي میرے نزدیک همیشه قابل نفرین رهی هے - اگر ان کا ایک نمائنده شرافت کے ساتهه هم سے کهدے که عالي جناب سڑک بند هے تو خدا کی قسم هم بغیر چوں و چرا کئے هوئے واپس لوٹ جائیں اور یه کوئي نئي بات نهیں هم نے کتوں کي درخواست پر کئی راتیں سڑک ناپنے میں گذاردي هیں - لیکن پوري مجلس کا یوں متفقه و متحده طور پر سینه زوري کرنا ایک کمینه حرکت هے (قارئین کرام کی خدمت میں عرض هے که اگر ان کا کوئي عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود هو تو یه مضمون بلند آواز سے نه پڑها جاے - مجهے کسي کي دلشکني مطلوب نهیں) ،،

،، خدا نے هر قوم میں نیک افراد بهي پیدا کئے هیں - کتے اس کلیّے سے مستثنے نهیں - آپ نے خدا ترس کتا بهي ضرور دیکها هو گا عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاهر هوتے هیں - جب چلتا هے تو اس مسکینئ اور عجز سے گویا بارگناه کا احساس آنکهه اُٹهانے نهیں دیتا - دُم پیٹ کے ساتهه لگي هوتی هے - سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا هے اور آنکهیں بند کر لیتا هے ' شکل بالکل فلاسفروں کی سي اور شجرہ دیو جانس کلبي سے ملتا هے - کسی گاڑي والے نے متواتر بگل بجایا - گاڑی کے مختلف حصوں کو کهٹکهٹایا - لوگوں سے کهلوایا - خود دس باره دفعه آوازیں

دیں تو آپ نے سر کو وهیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو
کھولا ' صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند
کرلیں - کسي نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان
کے ساتھہ وهاں سے اُتھہ کر ایک گز پرے جالیتے اور خیالات کے
سلسلے کو جہاں سے وہ توت گیا تھا وهیں سے پھر شروع کر دیا :-
کسي بائیسکل والے نے گھنتي بجائي تو لیتے هي لیتے سمجھہ
گئے کہ بائیسکل هے ایسي چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ
چھوڑدینا فقیري کي شان کے خلاف سمجھتے هیں -

رات کے وقت یهي کتا اپنی خشک پتلي سي دم کو تاحد
امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا هے اس سے محض خدا کے برگزیدہ
بندوں کي آزمائش مقصود هوتي هے - جہاں آپنے غلطي سے اس پر
پاؤں رکھہ دیا - انہوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش
شروع کر دي " بچا فقیروں کو چھیرتا هے ' نظر نہیں آتا ' هم سادھو
لوگ یہاں بیتھے هیں " بس اس فقیر کی بددعا سے اسي وقت رعشہ
شروع هو جاتا هے ' بعد میں کئي راتوں تک یہی خواب نظر آتے رهتے
هیں کہ بےشمار کتے تانگوں سے لپتے هوتے هیں اور جانے نہیں دیتے
آنکھہ کھلتی هے تو پاؤں چارپائي کي ادوائن میں پھنسے هوتے هیں -

اگر خدا مجھے کچھہ عرصہ کے لئے اعلي قسم کے بھونکنے اور
کاتنے کي طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی
مقدار میں هے - رفتہ رفتہ سب کتے علاج کے لئے کسولي پہنچ
جائیں .... انگریزی میں ایک مثل هے کہ " بھونکتے هوئے
کتے کاتا نہیں کرتے " یہ بجا هي لیکن کون جانتا هے کہ ایک
بھونکتا هوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاتنا شروع کردے - "

"............ قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے - میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں - میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کے وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کبھی کبھی نظر آتے ہیں - لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھہ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی - وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے - اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں - یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے - اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلیٰ سے اعلیٰ خانوانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آ جاتا ہے - میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر فیچ ذات ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے "

" .... آخرکار بائسکل پر سوار ہوا - پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے - گھر سے نکلتے ہی کچھہ تھوڑی سی اترائی تھی - اس پر بائسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتی ہے - اور ساتھہ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں - ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے - چیں - چاں چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہئے سے نکلتی تھیں - کھٹ ، کھڑ ، کھڑ کھڑ کی قبیل کی آواز مڈگارڈوں سے آتی تھیں - چر - چرخ ، چر - چرخ کی قسم کی سریں -

زنجیر اور پیڈل سے نکلتی تھیں - زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی - میں جب کبھی پیڈل پر زور ڈالتا تھا زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی - جس سے وہ تیز جاتی تھی اور چڑ چڑ بولنے لگتی تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی - پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے چلتا تھا اور اس کے علاوہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو بھی حرکت کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے - مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے - ان کا فائدہ صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے -

اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ لمحہ بھر کو زور سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر تھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو - پچھلے اور اگلے پہیے کو ملا کر چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' .... کی صدا نکل رہی تھی - جب اترائی پر بائیسکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سوئے ہوئے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے -

اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے - ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا - کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی - لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی

اس لئے چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ کی آواز نے اب چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ کی صورت اختیار کرلی تھی - تمام بائیسکل کسی ادق افریقی زبان کی گردانیں دھرا رہی تھی ''

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کی طبع نازک پر گراں گذری - چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ بائیسکل کی گدی دفعتاً چھ انچ کے قریب نیچے بیٹھ گئی - چنانچہ جب پیڈل کے چلانے کے لئے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میری تھوڑھی تک پہنچ پہنچ جاتے تھے - کمر دوھری ہو کر باہر کو نکلی ہوئی تھی اور ساتھ ہی اگلے پہیے کی اٹکھیلیوں کی وجہ سے سر برابر جھٹکے کھا رہا تھا .... جیب میں سے میں نے اوزار نکالا ' گدی کو اونچا کیا ' کچھ ہینڈل کو ٹھیک کیا اور دوبارہ سوار ہو گیا '' -

'' دس قدم بھی چلنے نہ پایا تھا کہ ابکی بار ہینڈل یک لخت نیچا ہو گیا اتنا کہ گدی اب ہینڈل سے کئی فٹ پھر اونچی تھی میرا تمام جسم آگے کو جھکا ہوا تھا - تمام بوجھ دونوں ہاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور جو برابر جھٹکے کھا رہے تھے .... میں دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی عورت آٹا گوندھ رہی ہو - مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا - جس کی وجہ سے میرے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا .... ہینڈل تو نیچا ہو ہی گیا تھا -

تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں ہمہ تن زمین کے قریب پہنچ گیا - ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے ' گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا - میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا .... " -

" .... مشکل سے بیس قدم گیا ہونگا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھ آ لگی ہے - آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کی بیچ میں سے گذر گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھ اپنی اپنی جگہہ بدل لی ہے - حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اِس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا .... میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہوکر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار جاپہنچا ہے اور بائیسکل کا باقی میرے پاس پڑا ہے ' میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا جو پہیہ الگ ہوگیا تھا اس کو ایک ہاتھہ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھہ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا - یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھہ ساتھہ لئے پھرتا "

" جب میں یہ سب کچھہ اٹھاکر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو - کہاں جارہے ہو ' تمہارا ارادہ کیا ہے - یہ دو پہیئے کا ہے کو ساتھہ لیے جا رہے ہو ؟؟

" سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا فی الحال

تم یہاں سے چل دو - سب لوگ تمہیں دیکھہ رہے ھیں - سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ جو ھنس رہے ھیں اُنھیں ھنسنے دو ' اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ھر ملک میں پائے جاتے ھیں - آخر ھوا کیا - محض ایک حادثہ - بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ - لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائي دے رہے تھے - ایک آواز آئی " بس حضرت غصہ تھوک ڈالئے - ایک دوسرے صاحب بولے " بیٹھیا بائیسکل - گھر پہنچ کے تجھے مزا چکھاؤں گا - ایک والد اپنے لخت جگر کو انگلی پکڑے لئے جارہے تھے میري طرف اشارہ کر کے کہنے لگے " دیکھا بیٹا یہ سرکس کي بائیسکل ھے - اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ھوتے ھیں .... "

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بي اے (علیگ) یوں تو حال ھي میں اس حمام (ظرافت) میں برھنہ ھوئے ھیں لیکن تیور اور دم خم دیکھکر علی گڑھ والوں کی زبان اور مفہوم میں ان پر " بڑا پرانا " ھونے کا فقرہ پورے طور پر چسپاں ھوتا ھے اور پرانا بھی ایسا کہ ' نا ' کا تلفظ اس طور پر کیجئے یا کرتے جائیے کہ آپ کا سانس اس وقت ٹوٹے جب زندگي خطرہ میں پڑنے لگے !

جہاں تک راقم‌السطور کی یادرفاقت کرتي ھے مرزا صاحب کا پہلا مضمون " اُردو " میں " دھلي کا ایک مشاعرہ " کے عنوان سے شائع ھوا تھا - پہلے مضمون سے ایسا مضمون مراد ھے جس کو خالصتاً ظریفانہ نہیں تو اس کا مقدمہ ضرور کہہ سکتے ھیں - اس کے بعد پھول والوں کي سیر ' اور مولانا نزیر احمد ' مرحوم کي سیرت اور دیگر مضامین شائع ھوئے - بہر حال یہ تو مرزا صاحب

کي "عمر ظرافت" یا "ظریفانہ عمر" کي "کھٹپونی" ہوئی جس سے ناظرین کو تو کیا فاعتبرو یا اولي الابصار" کو زیادہ فائدہ حاصل ہوگا -

ھاں تو کہنا یہ تھا کہ مرزا صاحب حال ھي میں اس حمام میں برھنہ ہوئے ھیں لیکن اس میں شک نہیں وہ "باتھ روم" میں نہیں بلکہ "حمام" ھي میں برھنہ ہوئے ھیں اور حمام کي برھنگی کا مشرقي مفہوم تہبند ھے جس کو مرزا صاحب نے ترک نہیں کیا ھے اور خوب کیا ھے - باتھ روم کے غسل اور وھاں کي برھنگي آرٹ و حفظان صحت کے اُصول پر ممکن ھے صحیح ھو لیکن مشرق اور مشرقیت ابھی اس سے ھم آھنگ نہیں ھو سکي ھے اور شاید یہ ھو بھی نہیں سکتی - مرزا صاحب کا تہبند بھي وھي دادا جان کي "گاڑھے کي تہمد" ھے جس میں ستر ظرافت چھپي ہوتي ھے ' - ان کي نہیں اُن کے آرٹ کي !

فرحت اللہ بیگ صاحب کو عہد مغلیہ کے آخری دور کي معاشرت اور تمدن کا صحیح اور دلکش ترین مرقع کھینچنے پر بڑي قدرت حاصل ھے - ایسی قدرت جو بعض ناگزیر کوتاھیوں کے ساتھ آپ کو مولانا راشدالخیري اور حکیم ناصر نذیر فراق کي تحریروں میں بھي نظر آ سکتي ھے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ھے انھوں نے دلي ھي میں آنکھ کھولي اور دلي والوں کي آنکھیں بھي دیکھیں - اس لئے وہ یا آغا حیدر حسن صاحب (بقول علي گڑہ والوں کے "ددا سربھا") دلي کے سلسلہ میں جو کچھ کہہ سن جائیں گے وہ باھر والوں یا والیوں کو کہاں نصیب - فرحت صاحب کي ظرافت میں انتہائي سادگي کے ساتھ زبان اور بیان کا چٹخارہ بھی [illegible] ھے لیکن اس کے

ساتھہ ساتھہ یہ بھي کہنا پڑتا ھے کہ بعض اوقات وہ دانستہ یا نا دانستہ طور پر محاورہ یا زبان یا ضرب‌الامثال کي بے محل نمائش بھي کر جاتے ھیں اور مضمون کا اتنا حصہ قدرتاً مصنوعي معلوم ھونے لگتا ھے - چغتائي اور فرحت صاحبان کے انداز تحریر کا امتیاز خصوصي یہي ھے کہ چغتائي الفاظ ' محاورہ ' زبان یا ضرب‌الامثال کي کبھي نمائش نہیں کرتے لیکن فرحت صاحب کو چغتائي پر اس اعتبار سے تفوق حاصل ھے کہ فرحت صاحب کے ظرافت بعض اھم اور سنجیدہ مقاصد کي ترجمان بھي ھوتي ھے - چغتائي صاحب کي مانند فرحت صاحب کو بھي جزئیات خوب سوجھتي ھیں اور یہي چیز صحیفہ ظرافت میں "جان سخن" بھي ھے لیکن فرق یہ ھے کہ فرحت کي سوجھہ میں بوجھہ کو بھي دخل ھوتا ھے اور چغتائي کو صرف سوجھتي ھے - لیکن خوب سوجھتي ھے !

فرحت صاحب کے مضامین کے مطالعہ کے بعد ھم بے اختیار کہہ پڑتے ھیں '

ایسی چنگاری بھي یارب اپني خاکستر میں تھي !

چغتائي صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھي میرے دل میں تھي !

مرزا فرحت‌الله بیگ صاحب کے تحریر کا نمونہ درج ذیل ھے -

"عشق کي گولیاں"

" ناصر کو میں کیا اسکے سارے دوست بےوقوف سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جس بھلے آدمي کا سر کھوپڑے کي بتیا ھو اس میں عقل ھي کہاں سے آنے لگی اور آئے گی بھي تو کتني

آئے گی - بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان میں بیٹھا اور سب مضمونوں میں فیل ہوا - اللہ نے ماں باپ کو روپیہ دیا تھا - جھٹ اُٹھا ولایت بھیجدیا - ہماری تو سمجھہ میں نہیں آتا کہ ولایت کی آب و ہوا ہي کچھہ نئي ہے یا وہاں والے طالب علموں کو کتابیں گھول کر پلا دیتے ہیں کہ یہاں سے ان پڑھ جاؤ اور تین چار ہي برس میں بی اے - ایم اے - ال ال ڈي ہوکر آجاؤ - یہاں ناصر کے ساتھہ بھي یہي ہوا یا تو کسي طرح انٹرنس پاس ہي نہ ہوتے تھے یا ولایت جاتے ہی زنازن امتحانوں میں پاس ہونے لگے اور تین ہي برس میں بي اے ہوکر ڈاکٹري کی جماعت میں شریک ہوگئے - بڑي نوابي سے وہاں پانچ برس گذرے امتحان میں بیٹھے پاس ہوئے اور سند مل گئي کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چُھری چلا دے جس کو چاہے عدم‌آباد پہنچا دے ' کسي قانون کے رو سے اس کے مقابلہ میں ضرر شدید ' زہر خوراني یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا - خیر پڑھائي سے فارغ ہوکر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے - ماں باپ کے دل باغ باغ ہوئے ' قبرستان والوں کے ہاں عید ہوئی مریضوں اور بیماروں کي موت آئي - میاں ناصر نے اپنی دوکان پھیلائی اور ملک‌الموت نے اُن کے نام سے اپنے دفتر میں ایک نیا کھاتہ کھول دیا .... "

" آزاد نگارستان[۱] اور دادا جان "

" مل گئي - آخر نگارستان کو آزادی مل ہی گئی - اور

---

۱ - نگارستان سے مراد چین نہیں ہے بلکہ وہ ملک ہے جہاں نگرز Niggers (کالي چمڑی والے) رہتے ہیں -

کیوں نہ ملتی - اس ایک آزادی کے لئے یہاں والوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے - کھیتوں کی کاشتکاری چھوڑی ' نہروں سے پانی لینا چھوڑ دیا ' ولائتی کپڑے کا خریدنا چھوڑ دیا ' تجارت میں حصہ لینا چھوڑ دیا - بنکوں سے حساب کتاب چھوڑ دیا - دوکانوں پر چوکسی کی - شہروں پر ڈاکے ڈالے - ریلوں کے پل اُڑائے - اپنے اور غیروں پر طپنچے چلائے ' فوجوں کی گولیاں کھائیں ' پولیس کے ظلم سہے ' جیل خانوں میں چھاؤنی چھائی ' پھانسیوں پر جان گنوائی - آخر آزادی آئی اور بڑے زور سے آئی - حکومت ملی اور پوری حکومت ملی - خیر ایک جھگڑا گیا مگر دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ حکومت کریں تو کیوں کر کریں ' اور حکومت کرے تو کون کرے " دادا جان قصبہ امن‌آباد کی طرف سے پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے ' چنانچہ اب شریک جلسہ ہونے کے لیئے روانہ ہورہے ہیں -

" .... دادا جان نے جھٹ پٹ روانگی کا سامان درست کرنا شروع کر دیا ' کہیں سے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی وقت وقتاں کا ٹاٹ کا بیگ نکالا - موچی کو بلوا کر جہاں جہاں سے چوہوں نے کاٹا تھا اس کو سلوایا گیا - دو جوڑے کپڑے لنگی میں لپیٹ کر اس میں رکھے گئے ناریل کا حقہ چلم تمباکو کوئلے اور دیاسلائی کی ڈبیہ اور خدا جانے کیا کیا الا بلا اس میں ٹھونسی گئی - پرانی دری دھلوائی گئی - صاف چادر اور دو موٹے موٹے تکیے اس میں لپیٹ اور اوپر چھتری اور لٹھہ رکھہ ' سب کو بان سے کسا گیا - تین کے لوٹے میں رسی باندھ کر اس کو بستر ے میں لٹکایا گیا - داڑھی اور بالوں میں لوگوں کے بہت کہنے سننے سے خضاب لگایا - چونکہ بچارے بالوں نے اس سے

پہلے یہ مصیبت کبھی نہیں اُٹھائی تھی اس لیے ہر بال نے اپنی طبیعت کے موافق نیا رنگ اختیار کیا داڑھی سیاھی سے شروع ہوئی - آگے چل کر طاؤسی رنگ کی ہوئی - پھر اور آگے اودی ہوئی اور آخر ہلکے گلابی رنگ پر ختم ہوئی - سر کے بال ذرا اچھے رہے کیونکہ سب کے سب مل ملا کر کشمشی رنگ کی ٹوپی بن گئے -

چلنے کے دن صبح ہی سے دادا جان کا بناؤ شروع ہوا - موٹے گاڑھے کا کوئی تین گز کا منڈا سا باندھا - بدن پر گاڑھے کی مرزئی پہنی - گاڑھے کی تہمد پہنی - پاؤں میں ادھوری استر کا نعل دار جوتا پہنا - روپیوں کی ہمیانی کمر میں لپیٹی اور پارلیمان کے پورے ممبر ہو گئے - منجھولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے ...... اسی حیص بیص میں اسٹیشن آگیا - گاڑی کے آنے میں دیر تھی - دادا جان کو گھبراہٹ ہورہی تھی ' کبھی ریل کو برا بھلا کہتے کبھی ریل والوں کو - کبھی کہتے بھئی ہم سے یہ ریل ویل چلانی ذرا مشکل ہے - تم ہی دیکھو نا کہ پہلے کیا ٹھیک وقت پر آتی تھی اور آج آنے کا نام ہی نہیں لیتی ' میں نے کہا دادا جان اب ریل کے وقت بدل گئے ہیں کہنے لگے یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم لوگوں سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا - بھلا تم ہی بتاؤ کہ پہلے وقت میں کیا برائی تھی جو بیٹھے بٹھائے اس کو بدل دیا - نہیں بھئی یہ کام کچھ وہی لوگ اچھا چلاتے تھے - میں تو کمیٹی میں جاتے ہی کہوں گا کہ اس ریل کو پرانی سرکار کے ہاتھ بیچ ڈالو - اُن کی دیکھی بھالی چیز ہے وہی اُس کے کل پرزوں کو خوب سمجھتے ہیں - ہم نئے آدمیوں سے یہ کام نہ

سنبھلا ہے نہ سنبھلے گا - میں نے ہزار طرح سمجھایا کہ پہلے
بھی ریلوں کے وقت بدلا کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے
اور یہی کہتے رہے کہ ریل کو تو میں بکوا کر رہوں گا - خیر
خدا خدا کر کے ریل آ ہی گئی - میں دادا جان کو اول
درجہ کے پاس لیکر گیا ' اُنھوں نے اندر جھانکا اور جھٹ باہر
نکل آئے میں نے کہا اندر جائیے کہنے لگے یہ ہمارا درجہ نہیں
ہے افسروں کا ہے ہم کو وہیں تیسرے درجہ میں لے چلو بڑی
مشکل سے میں نے اُن کو اندر کیا وہاں پارلیمان کے دو اور
ممبر بیٹھے تھے - اُنھوں نے جو اُن کی ہیئت کذائی دیکھی تو
کہا Get out ! This is first class. (نکل جاؤ یہ اول درجہ
ہے) - دادا جان انگریزی تو کیا خاک سمجھتے ہاں ان لوگوں
کے چہرے اور الفاظ کے جھٹکے سے جان گئے کہ مجھے نکل جانے
کو کہتے ہیں فوراً باہر آگئے پھر لاکھہ سر مارا کہ اندر جاکر
بیٹھئے - ان لوگوں سے بھی کہا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں
لیکن دادا جان کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ساتھہ ہی میرے
پیچھے پڑ گئے کہ ساتھہ چل - آخر میں نے بھی تھرڈ کلاس کا
ٹکٹ لیا اور بیگ بیڈنگ و دو گرش ان کے ساتھہ ریل میں سوار
ہو گیا -

تھرڈ کلاس میں بیٹھہ کر دادا جان کی طبیعت کھلی -
پہلے اپنا تھیلا کھولا - ناریل نکالا ' کوئلے جلائے چلم بھری اور اپنے
ہمجلسوں سے مزے مزے کی باتیں کرنے لگے - اناج کے بھاؤ پر
بحث ہوئی - سرکاری مالگذاری کے قصے چھڑے - مقدمات کا
ذکر ہوا - نئی گورنمنٹ کے متعلق رائے زنی ہوئی - پارلیمان
کے لیئے تحریکات مرتب ہوئیں غرض رات کے گیارہ بجے تک یہی

چهک جهک بک بک هوتي رهي - میں تو کھڑکي میں سر رکھہ کر سو گیا معلوم نہیں یہ قصے کب تک چلے اور کب ختم هوئے - هاں صبح جب میري آنکھہ کھلی تو دیکھا کہ دادا جان اسي طرح اپنے یار دوستوں میں بیٹھے چلم کے دم لگا رهے هیں .... "

کوئي گیارہ بجے پارلیمان کے دروازہ پر جا پہنچے - دادا جان نے بسم‌الله کہہ سیڑھیاں چڑہ ' عمارت کے عالی شان پھاٹک میں قدم رکھا - دروازہ هي پر افسر نے ٹکٹ مانگا - ان کے پاس دو ٹکٹ آئے تھے ایک سبز اور دوسرا سفید - معلوم هوتا هے سفید ٹکٹ گیلري کا تھا اور سبز ٹکٹ ممبري کا - سفید ٹکٹ شاید اس لئے آیا تھا کہ اگر کسی دوست کو لانا چاهو تو لا سکتے هو - اُنہوں نے سفید ٹکٹ نکال کر افسر کے هاتھہ میں دیا اس نے دو منزلہ کي جو سیڑھیاں تھیں ان کي طرف اشارہ کر دیا - یہ نعل دار جوتے سے کھٹ کھٹ کرتے سیڑھیوں پر چڑھے کوئی چار پانچ هي سیڑھیاں چڑھے هونگے کہ سپاهی نے هونٹوں پر انگلیاں رکھہ کر خاموشي کا اشارہ کیا انہوں نے ذرا آهستہ آهستہ پاؤں رکھنے شروع کئے مگر اِس سے کیا هوتا تھا سنگ مرمر کي سیڑھیاں تھیں اور نعلدار جوتا - لاکھہ دبا کر پاؤں رکھتے وہ کھٹ کھٹ کہاں جاتي تھي - تھوڑے هی اوپر گئے هونگے کہ دوسرے سپاهی نے وهی خاموشي کا اشارہ کیا اب ان کو سوائے اسکے کچھہ نہ سوجھي کہ جوتیاں اُتار بغل میں دبا لیں اور ننگے پاؤں اوپر چڑھیں چنانچہ اس طرح یہ مشکل آسان هوئي - سیڑھي کي طرف جو دروازہ تھا اس پر ایک پہرہ‌دار کھڑا تھا - اُس نے بایاں هاتھہ پھیلا کر اشارہ کیا کہ آگے جاؤ - یہ سڑک کے انتظام میں پولیس کے سپاهي کي

حرکات کا مطالعہ اچھی طرح کر چکے تھے سمجھے کہ اس دروازہ میں جانے کو کہتا ہے جھٹ ڈبکی مار اس کے ہاتھہ کے نیچے سے گذر دروازہ میں داخل ہوئے -

شامت اعمال سے یہ گیلری عورتوں کی تھی - عورتوں نے جو دیکھا کہ ایک دھقان جوتیاں بغل میں دبائے اندر گھسا آ رہا ہے تو غل مچا دیا - کسی کو چکر آیا کوئی گھبرا کر کھڑی ہوگئی - ایک بیگم صاحب نے بے دم ہو کر دادا جان کے کندھے پر سر رکھہ دیا - نیچے پارلیمان کا اجلاس ہو رہا تھا - اس غل شور سے وہ بھی بند ہو گیا - سب لوگ پھر پھر کر عورتوں کی گیلری کی طرف دیکھنے لگے.........آخر نیچے سے دو تین افسروں نے آ کر دادا جان کو اس گیلری سے نکال کر زبردستی مردوں کی گیلری میں ٹھونس دیا -

یہ تھوڑی دیر تک تو پریشان حال بیٹھے رہے جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اپنی جگہہ سے اُٹھے اور لوگوں کی کُہنیاں کھاتے ' دھتکاریں سنتے گیلری کے جنگلہ تک پہنچے اور جنگلہ پر دونوں کہنیاں ٹیک جھک کر نیچے کا تماشا دیکھنے لگے لوگوں نے ہٹانا بھی چاہا - ٹانگوں میں چٹکیاں بھی لیں مگر یہ کیا ہٹنے والے اسامی تھے - تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب سے پوچھا ارے بھئی یہ نیچے کیا ہو رہا ہے انہوں نے کہا کہ پارلیمان کا اجلاس ' پھر سوال کیا کہ نیچے جو لوگ بیٹھے ہیں یہ کون ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ہیں اتنا سننا تھا کہ دادا جان نے نعرہ مارا کہ ٹھرو ٹھرو ہم کو بھی نیچے آنے دو یہ ہمارے بغیر کیوں اجلاس کیا جا رہا ہے اس آواز سے سب [illegible] کی نظریں مردانہ گیلری کی طرف خود

بخود پھر گئیں کیا دیکھتے ھیں کہ وھی صاحب جو پہلے زنانہ گیلری میں آفت بپا کر چکے تھے اب دوسری گیلری میں کھڑے اجلاس بند کرنے کا حکم دے رھے ھیں - لوگوں میں گھسر پھسر شروع ھوئی صدر نشین نے بڑے زور سے " خاموش " کہا دادا جان سمجھے مجھے خاموش کرنے کو کہا جا رھا ھے وھیں سے چیخ کر بولے آخر ھم کیوں چپ رھیں - ایک تو بغیر ھمارے کمیٹی شروع کر دو اور پھر یہ کہو کہ چپ رھو ' ھم یہاں بولنے آئے ھیں یا چپ رھنے کو .... " -

---

" ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی " -

" میں نے دانی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی اب میرے کہنے سے تم سائنس لے لو جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ " مرتا کیا نہ کرتا " وہ راضی ھوگئے - دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ھوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رھا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دو سال کے تین سال میں شریک امتحان ھونا پڑے گا " سنگ آمد و سخت آمد " جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ھوئی - دونوں سر ملاکر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ھوئے - آخر یہ تجویز پاس ھوئی کہ " خاک از تودہ کلاں بردار " کے مقولے پر عمل کر کے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاھیے - دلی میں دو تین

بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب دوسرے شمس العلما مولوی ضیاءالدین خاں صاحب ال ال ڈي اور تیسرے مولوی نذیر احمد خاں صاحب - پہلے کو تو دیوانگي سے فرصت نہ تھي - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا ، گرمیوں کا زمانہ تھا - مولوي ضیاءالدین صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے - ہم دونوں نے بھي جاکر شام هي سے جامع مسجد کي سیڑھیوں پر ڈیرے ڈالدئے آٹھہ بجے نو بجے دس بج گئے - مولوي صاحب نہ آج نکلتے هیں نہ کل - خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی معلوم هوئي - هم دونوں بھي هاتھہ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے سوچ کھڑے هوگئے - هم آخر سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لیے دروازہ میں سے پہلے قندیل نکلتي نظر آئي اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائي دیتا ہے اسي طرح پہلے مولوي صاحب کا عمامہ اس کے بعد ان کا نوراني چہرہ ، سرمگیں آنکھیں ، سفید ریش مبارک ، سفید جبہ اور سب سے آخر زرد بانات کي سلیم شاهي جوتیاں نظر آئیں .... "

" .... اندھا کیا چاهیے دو آنکھیں ، ٹھیک آٹھہ بجے هم دونوں سراج الدین صاحب کي دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کي مسجد کے قریب تھي جاکر کیا دیکھتے هیں کہ مولوي صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھہ رقم کا حساب کر رہے هیں - هم نے جاتے هي فراشي سلام کئے اور خاموش تخت کے کونے پر بیٹھہ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھي - عبدالرحمن همارے پاس آ بیٹھے - مگر مولوي صاحب روپیوں

کے حساب، کتاب میں اسقدر مشغول تھے کہ اُنھوں نے دیکھا بھي نہیں کہ کون آیا کون گیا - میں نے سوچا کہ معاملہ یہاں بھي پتتا معلوم نہیں ہوتا - دھتکار سلکر یہاں سے بھي نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسي انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے - " مرتا کیا نہ کرتا " میں نے بھي سوچ لیا " آج اِس پار یا اُس پار " - مولوي ضیاء الدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوي نذیر احمد صاحب سے دو دو هاتھہ ہو جائیں گے - قصہ مختصر مولوي صاحب حساب سے فارغ ہوئے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے کچھہ اُلٹے سیدھے خاندانی حالات بھي بیان کئے اس کے بعد ہماري مصیبت کا بھي ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہو گئے - میں نے دل میں کہا " پرائے برتے کھیلا جوا ، آج نہ موا کل موا " اب میاں عبدالرحمن کو رهنے دو جو کچھہ کہنا ہے خود کہہ ڈالو - کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھي بے نیل مرام با ضابطہ پسپائي ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا ، فرمانے لگے تو عربي چھوڑ دو سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے " پڑھیں فارسي بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل " فارسی پڑھکر تو تیل بیچ لوگے عربی پڑھہ کر تیل بھي بیچنا نہ آئے گا " -

---

اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا اگر یہاں مرزا صاحب کے مضمون (محولا بالا) کا ایک اور حصہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا جائے -

'' .... محاوروں کي بھرمار کے متعلق اکثر مجھہ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا ' مولوي صاحب (ڈاکٹر نذیر احمد صاحب) اپنے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لي ہے اور کسي نہ کسي محاورہ کو آپ کسي نہ کسي جگہہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کي گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو - جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کي ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوي ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلي والے ہیں .... مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئي رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہي میں '' خطائے بزرگاں گرفتن خطا است '' کي سب سے بڑي ٹھوکر ہے .... محاوروں کے استعمال کا شوق مولوي صاحب کو حد سے زیادہ تھا تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کي ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے اور بعض اوقات ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے خدا معلوم انھوں نے محاوروں کي کوئي فرہنگ تیار کر رکھی تھي یا ' کیا ایسے ایسے محاورے ان کي زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے جو نہ کبھی دیکھیے نہ سنے .... " -

محاورے کي '' ٹھونسم ٹھانس '' پر مرزا صاحب اپنے استاد سے کافي برہم نظر آتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے شاگرد اور اُستاد ' اس سلسلے میں ایک ہي تھیلي .... نہیں .... ایک ہي ٹھیکرے .... لیکن لاحول ولاقوۃ یہ مرض تو کچھہ متعدي سا معلوم ہوتا ہے !

مرزا صاحب کا یہ مضمون " مرقع نگاری " کا بہترین نمونہ ہے - اس کا جواب شاید اردو ادب میں معدوم ہے !!

سجاد علي انصاري مرحوم بي - اے (عليگ) - سجاد اور مہدي (افادی مرحوم) اُردوئے جدید کے رنگ و بو تھے - ان کو اُردو کا نشاۃالثانیہ کہنا روا ہے - ذوق صحیح اور طنزیات جدید کا امام آہ کہ دنیا سے ابھي اُٹھا ہے - سجاد مرحوم اپنے معتقدات کے اعتبار سے کچھہ ھي کیوں نہ رہے ہوں - اُن کے اُٹھہ جانے سے اُردو کي محفل میں ایسي جگہہ خالي ہوئي ہے جس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا آسان نہیں ہے - وہ محتسب نہیں فصاد تھے اور بے پناہ اور کامل‌الفن فصاد - اُنھوں نے " بدمذاقي " اور " بدتوفیقي " کي رگ و پے پر خوب خوب نشتر زنی کي ہے - انھوں نے فریب کو کبھي پنپنے نہ دیا - بعض طبائع کو ان سے ناگواري بھي پیدا ہوئي لیکن بناء مخاصمت ' معتقدات تھے نہ کہ ان کا آرٹ ! واقعہ یہ ہے کہ سجاد کو فریب سے دشمني تھي اور وہ بھي ازلي ' وہ ہر فریب سے بیزار تھے خواہ اس کا اثر دوسروں پر پڑتا یا اس کا مورد خود " فریبي " ہوتا - وہ مذہب نہیں " مذہبي " کے درپے تھے - اس میں شک نہیں وہ اصلاح کے قائل نہ تھے ان کا ایمان صرف جہاد پر تھا - جہاد کامیاب ہوا ہو یا نہ ہو سجاد یقیناً کامیاب رہے !

سجاد مرحوم کا عقیدہ تھا کہ لطافت خیال ہي خلاصہ کائنات ہے اور لطافت خیال معتقدات کي کورانہ پیروي سے بالا تر ہے - سجاد کي خصوصیت انشا یہ تھي کہ وہ جو کچھہ کہنا

چاھتے تھے جلد از جلد اور کم سے کم الفاظ میں کہدیا کرتے تھے - طنزیئین کا مسلک یہ ھونا چاھیے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے سے قبل واقعات کی ترجمانی کریں - اگر یہ نہیں تو پھر اسے طنزیات نہیں سیاسیات قرار دینا چاھیے اسي وجہ سے طنزیات کي وادی نہایت پر خطر ھے ' یہاں مقاھمہ نہیں صرف مصادمہ ھے - نظر براں اس فریضہ سے عہدہ بر آ ھونے کے لئے انتہائی جراءت ' صحت ذوق اور قدرت بیان کي ضرورت ھے - سجاد مرحوم ان صفات کے مسولیني تھے ' قوموں کي مانند ادبیات کي زندگي میں بھي ایک دور ایسا آتا ھے جب اس میں مصطفیٰ کمال اور مسولیني کا پیدا ھونا ناگزیر ھو جاتا ھے -

سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ' محشر خیال ' کے نام سے شائع ھو چکا ھے ' یہاں جستہ جستہ اقتباسات پیش کئے جاتے ھیں -

" تجلیات "

" مدعیان علم و حکمت عقلمندوں کو گمراہ کرنا چاھتے ھیں اور مدعیان زھد و تصوف بیوقوفوں کو .... آج کل اعمال حسنہ کی تلقین صرف وہ بد مزاق کر سکتا ھے جس میں زاھد خشک کي بد نصیبیاں اور جوان صالح کي بد توفیقیاں فطرت کي طرف سے ودیعت کي گئي ھوں .... "

" سعی ناکام دعاء مقبول سے برگزیدہ تر ھے ' کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ھے لیکن دعا انسانیت کا ایک اعلان شکست ھے جس کے ذریعہ سے انسانی مجبوریوں کا راز ان فرشتوں پر بھي منکشف ھو جاتا ھے جو کسي طرح اس انکشاف کے اھل

نہیں .... علما ہر مسئلہ کو صرف و نحو سے سمجھانا
چاہتے ھیں - یہي سلوک انھوں نے خدا کے ساتھہ بھي کرنا
چاھا لیکن وہ قادر اور توانا ھے - اس نے انسانی دماغ کو کامل
شکست دیدي - وہ جانتا ھے کہ انسان فلسفہ ارر منطق کے ھر
کلیہ سے اس کو محصور کرنا چاھیگا - اسي لئے حفظ ماتقدم کے
اصول پر اس نے اپني ذات میں تمام متضاد صفات مجتمع کر
لیں تاکہ انسان کي عقل بیکار ھو جائے - اس کي ھر منطق
مجبور اور اس کا ھر فلسفہ لایعنی ثابت ھو ''

'' مذھب و اخلاق ''

'' .... ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمي ھے
کہ وہ ایک طور ھے جس پر حقائق رنگین کی تجلیاں پرتوافگن
ھوتي ھیں -

لیکن میں اس کا قائل نہیں - اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم
کی نیرنگیاں اور حِس لطیف کی رنگینیاں ھوتیں تو وہ قرۃالعین
کی بربادیوں کے متحمل نہ ھو سکتے اگر کوئی صحیح موقعہ
سلطنت کے نظم و نسق '' علماء کرام '' کے اجتہاد اور جماعت
کے طریقہ کار کے خلاف بغاوت کرنیکا تھا تو یہی تھا جب
قرۃالعین عبرت ناک مظالم کے ساتھہ ھلاک کر دیگئی - ان
سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ھے جو زعم کثرت میں
انفرادي عظمتوں کو برباد کرتی رھتی ھے اور وہ '' پاسبانان
مذاھب '' جو ھمیشہ پاسبانی کے پردہ میں بہیمیت کے کرشمے
دکھلاتے رھے !

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں ، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں - میں قرۃالعین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں - میرا عقیدہ ہے کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معرف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی - وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھہ پامال کر دیں !

"حقیقت عریاں"

فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے - ایک حقیقت جب مٹتی ہے دوسری حقیقت ہو جاتی ہے - خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں - سلسلۂ ارتقاء سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا - معلم‌الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے جو تخلیق شیطنت کے لئے لازمی تھے - فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے - وہ شیطنت پر مجبور ہوگیا اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں - وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا .... شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ نہیں جھٹلا سکتا تھا ...."

مولانا نیاز فتحپوری نے ایک جگہہ لکھا ہے ؛

"مزاح نگار کی حیثیت سے اس وقت پطرس ، رسوزی ، رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں .... چغتائی صاحب

کي مزاح نگاري اکثر و بیشتر منحصر ہوتي ھے صرف پلاٹ یا واقعات پر یعني وہ حالات ایسے پیش کرتے ھیں جو مشاھدے کے بعد یوں بھي ھر شخص کو ھنسا سکتے ھیں رموزي کي مزاح نگاري منحصر ھے اس امر پر کہ وہ الفاظ یا فقروں کا استعمال ان کے عام متبادر معني سے ھٹ کر کرتے ھیں - رشید صاحب کي مزاح نگاری کا دور اولین فلسفیانہ مزاح نگاری کا بہترین نمونہ تھا - لیکن اب ایسا معلوم ھوتا ھے کہ شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ھے اور وہ غور و تامل کي کلفت میں نہ خود مبتلا ھونا چاھتے ھیں نہ کسي اور کو مبتلا کرنا چاھتے ھیں تاھم کوئي نہ کوئي سنجیدہ نتیجہ ان کي تحریر سے ضرور پیدا ھوتا ھے - پطرس کي مزاح نگاری بڑي حد تک مغربي رنگ کي ھے جس میں واقعہ و انداز بیان دونوں سے مضحک کیفیات پیدا ھوجاتي ھیں لیکن نتیجہ کے لحاظ سے ھمارے لئے یہ کہنا دشوار ھو جاتا ھے کہ اس میں واقعي کسي تلخ حقیقت (grim reality) کا مطالبہ پیش کیا گیا ھے - حالانکہ ایک مزاح نگار کا حقیقي کمال یہي ھے - شوکت کي مزاح نگاري بھي اس خصوصیت سے معرا ھے اور وہ بھي قطعی طور پر اپنے موضوع سے گذرنا چاھتے ھیں لیکن اس کے ساتھہ ان کے یہاں زبان کا لطف ، مشاھدہ ، جزئیات اور لطافت خیال یہ سب اس قدر خوبي کے ساتھہ ملے ھوئے نظر آتے ھیں کہ وہ اپني فضا خاص پیدا کر لیتے ھیں .... " -

" پطرس ، رموزي ، اور عظیم چغتائي کے بارہ میں مولانا نیاز نے جو کچھہ فرمایا ھے اس کے صحیح یا غیر صحیح ھونے کي ذمہ‌داری خود ان پر یا پھر اسي " تثلیث " یا

بقول[1] شخصے ''تگدم'' پر عائد ہوتی ہے - البتہ " رشید صاحب '' کے متعلق جو کچھہ ارشاد ہوا ہے اس کا کم سے کم یہ فقرہ

'' شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے ''

قطعاً صحیح ہے بشرطیکہ دماغ کے ساتھہ اب قلم بھی شامل کر لیا جائے - چنانچہ بقیہ آیندہ اڈیشن میں !

---

۱ - تثلیث کا مفہوم تگدم سے ادا کرنا ' یاد نہیں آتا کسکی جدت طبع ہے - ممکن ہے خود میری ہو ممکن ہے کسی اور '' صدیقی '' کی ہو -

اغلاط نامہ

صفحہ — سطر	غلط	صحیح	صفحہ — سطر	غلط	صحیح
۲ — ۶	معمولی	معمول	۳ — ۱۰	کا پہلو	کا یہ پہلو
۲ — ۷	ہوتے	ہو گئے	۳ — ۱۹	اسیمٹن	اسمیٹن
۲ — ۱۴	دیوتاؤں	...	۳ — ۲۰	کے	کی
۳ — ۱۱	اُنہیں	اِنہیں	۱۱ — ۵	غیر	..
۳ — ۱۴	,,	,,	۱۲ — ۱۶	خیطبانہ	خطیبانہ
۳ — ۱۶	ہونے لگا	دکھنے لگے	۱۴ — ۵	راقم اسطور	راقم‌السطور
۴ — ۱۰	اسباب	اس باب	۱۷ — ۲۰	برتاسکا	برتانیکا
۴ — ۲۲	Laux	Lanx	۱۸ — ۱۹	فرد	فرو
۶ — ۱۴	کچھ بعد	کچھ عرصہ بعد	۱۸ — ۱۶	لعن طعن	لعن و طعن
۱۰ — ۴	پیچید	پیچیدہ	۱۹ — ۲	قایم	قدیم

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۲۰—۲	کی	کے	۲۹—۱۳	ناضرین	ناظرین
۲۰—۷	تمشیلہ	تمثیلیہ	۳۰—۱۲	یر	بر
۲۰—۸	کے	کی	۳۱—۹	تشیفد	نشیفد
۲۰—۱۱	اِن	اُن	۳۱—۲۲	پیامدید	بیا لاید
۲۱—	صفحہ ۱۹	صفحہ ۲۱	صفحہ ۳۲	۳۱	۳۲
۲۱—۱۵	لینڈسے	لنڈسے	۳۳—۲۰	اسلہ	اسلحہ
۳—۹	اس زندگی	اس میں زندگی	۳۵—۶	گفیتم	گفتیم
۲۴—۱۵	لفظوں	الفاظ	۳۶—۱	املع	املح
۲۵—۲	سے	بے	۳۶—۱۱	ابوالحق	ابواسحق
۲۶—۴	استعدار	استعداد	۳۷—۲۱	معزرت	معذرت
۲۷—۲۱	اتفات	التفات	۴۰—۶	املع	املح

صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۴۴—۷	ایرنی	ایرانی
۳۷—۱۳	سودا کے	سودا کا
۴۸—۴	میں	ہے
۵۱—۱۳	انہوں فرمایا	انہوں نے فرمایا
۵۱—۲۰	یہ	پہ
۶۰—۱	اوت	ادت
۶۱—۶	جوب	خوب
۷۶—۱۵	چلک	چاک
۷۷—۱	چہر	چہرہ
۷۹—۷	س	اِس
۸۳—۴	گوئی	کوئی
۸۶—۶	آتی	آئی
۸۶—۱۲	گوماتی	گرماتی
۸۸—۳	کاشنس	کانشنس
۸۸—۸	کڑے	لڑے
۹۵—۱۱	استعفا	استغنا
۱۰۰—۱۱	ازاد	سرشار
۱۰۳—۱۸	خیر	جن
۱۰۵—۱۳	اذل	اوذل
۱۱۳—۳	لساالعصر	لسان‌العصر
۱۱۴—۱۶	ھجائیں	ھو جائیں
۱۱۵—۱۶	گھہر	گھہر

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۱۳۶—	صفحہ ۱۳۶	۱۳۶	۱۴۲—۹	تول	قول
۱۳۶—۳	اس	کي	۱۴۲—۹	تطبق	تطابق
۱۳۶—۳	زیادہ ہو	زیادہ سیاہ	۱۴۲—۱۵	قویم	قدیم
۱۳۸—۷	برکے	برے	۱۴۴—۹	جر	جو
۱۳۸—۱۸	ہتیار	ہتھیار	۱۴۸—۱۱	کر نہ	کرکے
۱۳۸—۲۲	ملسح	مسلح	۱۵۳—۳	لوگرن	لوگوں
۱۳۹—۱۲	شہزدہ	شہزادہ	۱۹۰—۱۹	گرینگے	کرینگے
۱۴۰—۵	نوچھ	نوچ	۱۹۷—۱۱	سرقیانہ	سوقیانہ
۱۴۰—۱۳	اور	..	۱۹۸—۹	مخائف	صحائف
۱۴۱—۱۷	وہی	دہی	۱۹۸—۱۷	حسن	حُسین
۱۴۱—۲۰	گلسنی	گلنسي	۱۹۹—۸	حسن	حُسین

۱۷—۱۷۹	بعیت	بیعت	۱۹—۲۰۹	لپٹے	لپٹے
۲۲—۱۸۰	حکیم برحم	حکیم برهم	۱۰—۲۰۷	خانوانوں	خاندانوں
۱۹—۱۹۰	تغریب	تخریب	۱۳—۲۰۷	فیچ	نیچ
۳—۱۹۳	تغزش	لغزش	۳—۲۰۸	تیز	تن
۲—۱۹۳	الهذي	الهندی	۱۸—۲۱۰	اضطواری	اضطراری
۹—۱۹۵	بغے	بلغے	۲۲—۲۱۱	نزیر	نذیر
۱۳—۲۰۲	کے	وہ	۱۷—۲۱۲	راشدالغیری	راشدالخیري
۱۳—۲۰۲	وهي	وهبي	۱۸—۲۱۳	تهی	هے
۲۰—۲۰۳	هو	هوا	۱۸—۲۲۳	دیکھئے	دیکھے
۱۳—۲۰۴	اسفندیار	اسفندیاري			
۳-۲—۲۰۵	سکتات	سکنات			

هندستاني ايڈيمى (صوبۂ متحدہ) الہ آباد
كى مطبوعات

- از منۂ وسطیٰ میں هندستان کے معاشرتی اور اقتصادي حالات - از علامہ عبدالله بن یوسف علی - ایم - اے ' ایل ایل - ایم سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -
- ایضاً ایضاً غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱ - اُردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علي صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۴ - عرب و هند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴ روپیہ

۵ - ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۶ - فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موهن لال صاحب ' رواں - ۲ روپیہ -

۷ - کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوهر لال زتشي - ۲ روپیہ -

۸ - قرون وسطیٰ کا هندستاني تمدن - از رائے بہادر مہا مہواُپادهیا پنڈت گوری شنکر هیراچند اوجها ' مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت چار روپئے

۹ - هندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت دو روپئے

۱۰ - ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ' ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت چار روپئے

۱۱ - عالم حیواني - از بابو برجیش بہادر ' بی - اے ایل ایل - بی - ۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۲ - معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم اے ' پی ایچ - ڈی - غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوي - قیمت ایک روپیہ

۱۴ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوهلي ' ایم - اے - قیمت چار روپئے

۱۵ - جواهر سخن جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹي -

قیمت مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ

سول ایجنٹ کتابستان ' الہ آباد